ایجنسی کی کتابیں

بیتی باتیں۔ ایم۔ اسلم کا تازہ ترین ناول ضخامت
ساڑھے تین سو صفحات۔ قیمت تین روپے
رنگین نظارے۔ ایم۔ اسلم کے دس تازہ افسانے
ضخامت تقریباً چار سو صفحات۔ قیمت چار روپے
منتخب افسانے۔ ترقی پسند افسانہ نویسوں
کے شاہکار۔ مرتبہ قمر تسکین قیمت دو روپے
پتھر سے ہیرا۔ دلچسپ سبق آموز ناول۔
ڈاکٹر سید احمد بریلوی۔ قیمت دو روپے۔
شام و سحر۔ ماں کی ممتا کی سبق آموز کہانی۔ اور
ایک پیشہ ور کی جفاکاریوں کا خوفناک افسانہ قیمت للعہ
اشک و شرر۔ کوثر چاندپوری کے رقت انگیز
افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت دو روپے بارہ آنے۔
ازبلا۔ عربی زبان کے بہترین تاریخی ناول کا ترجمہ
از محمد سعید دہلوی۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے
دل کی باتیں۔ افسانے۔ سید کاظم دہلوی۔ دو روپے
چاند سورج کی چوری۔ سراغ رسانی کا ناول
از چمن دہلوی۔ قیمت دو روپے ۱۲؍
باغی لڑکی۔ ۲۳ بہترین افسانے۔ شفیق بانو۔
شفیق۔ قیمت صرف دو روپے
صحرانورد کے رومان۔ صحرانورد کے خطوط
کا دوسرا حصہ۔ میرزا ادیب قیمت تین روپے
ان دیوتا۔ افسانے میرزا ادیب قیمت اڑھائی روپے
دنیائے آرزو۔ ڈائری میرزا ادیب قیمت دو روپے
موت کا راگ۔ افسانے میرزا ادیب قیمت دو روپے

مہروماہ۔ افسانے احسان بی۔ اے۔ قیمت دو روپے
ربابِ شکستہ۔ یورپی افسانے۔ مترجمہ جمیل احمد
کندہاپوری۔ قیمت صرف دو روپے (۲؍۱۲)
افکارِ نو۔ ناول، افسانہ اور ڈرامہ کے آرٹ پر
بحث از جمیل احمد کندہاپوری قیمت ایک روپیہ چار آنے
یادگارِ حشر۔ آغا حشر کے آرٹ پر بحث از جمیل قیمت عہ
میرا بچپن۔ ٹیگور کی خودنوشت ڈائری۔ ایک روپیہ چار آنے
گیتان جلی۔ ٹیگور کی نوبل پرائز کتاب مع تشریح قیمت عہ
سرگوشیاں۔ ٹیگور کی مشہور کتاب "سٹرے برڈ"
کا ترجمہ۔ از جمیل احمد کندہاپوری۔ قیمت بارہ آنے
ماسٹر جی۔ ٹیگور کا ایک بہترین افسانہ۔ مترجمہ احسان بی۔ اے
شوخیاں۔ ٹیگور کا ایک دلکش ناول مترجمہ احسان بی۔ اے
خاموش حسن۔ ٹیگور کے دس افسانے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے
ڈاک گھر۔ ٹیگور کا ایک زندہ جاوید ڈراما از جمیل۔ بارہ آنے
کون کسی کا۔ ٹیگور کا ایک دردناک ناول احسان بی۔ اے۔ عہ
پھول اور کلیاں۔ ٹیگور کے پچیس افسانے قیمت دو روپے
کمودنی۔ ٹیگور کی مشہور تصنیف کا ترجمہ کمودنی ایک روپیہ آٹھ آنے
الجھن۔ ٹیگور کے بینظیر ناول "ریک" کا ترجمہ دو روپے آٹھ آنے
زمانہ ساز۔ شرت چندر چیٹرجی کی انقلاب آفریں تصنیف عہ
دیہاتی سماج۔ بنگال کی غیرفانی کتاب قیمت دو روپے
رقاصہ۔ سوز و گداز سے لبریز داستان ایک روپیہ بارہ آنے
آخری تحفہ۔ منشی پریم چند آنجہانی کے آخری تیرہ افسانے
وفا کی دیوی۔ آخری تحفہ کا سستا ایڈیشن قیمت دس آنے
قاتل۔ منشی پریم چند کی کہانیاں۔ قیمت دس آنے

یورپ، امریکہ اور روس کے افسانوی شاہکار

مغربی افسانے

مرتبہ:- شبلی۔ بی۔ کام
قمر تسکین

اشاعتِ اوّل
قیمت دو روپے

ناشرین :-

ایسٹرن آرٹس اکیڈمی لمیٹڈ

لاہور

تعداد ایک ہزار

مئی ۱۹۴۴ء

لالہ امرناتھ پرنٹر پبلشر نے کواپریٹو کیپٹل پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

فہرست مضامین

اُن ترقّی پسند افسانہ نویسوں کے نام

جو مغربی ماحول کا چربہ اُتارنے کی بجائے
مشرقیّت کو اپنا شعار بناتے ہیں

پیرائیہ آغاز

اُنیسویں صدی کے اواخر میں جب دہلی، رامپور اور اودھ کی بساطِ کہنہ اُلٹ گئی۔ شعر و ادب پر نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ فارسی و عربی کے اثرات ناپید ہو گئے۔ لکھنے والوں کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ رہا۔ تو شعرا و اُدبا کی توجہ شاہی محلات سے ہٹ کر عوام کی جھونپڑیوں کی طرف ہوئی۔ لیکن عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے صنائع و بدائع کام نہ دے سکتے تھے لفظی و صوری قوتوں سے انسان کو شاہراہ ترقی پر ڈالا نہ جاسکتا تھا۔ تجنیس لفظی اور مراعاۃ النظیر سے زندگی کے عُقدے حل نہ ہوسکتے۔ اس لئے ایک ایسی شمع کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں سے ”خارجیت“ کی بجائے ”داخلیت کی شعاعیں نکلتی ہوں اور جس کی مدد سے نفسیاتِ عامہ کے تاریک گوشوں کا مطالعہ کیا جاسکے۔ یہ شمع انگریزی ادب نے مہیا کی اور آہستہ آہستہ اُس کی کرنیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلنے لگیں۔ سب سے پہلے بنکم بابو نے لارڈ لٹن کی ایک نظم سے متاثر ہوکر ”رجنی“ نام ایک ناول لکھا۔ جس کے مطلع شہود پر آتے ہی ہندوستان کا باذوق حلقہ چونک اُٹھا۔ اور پڑھے لکھے نوجوان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ انگریزی ادب کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کرے۔ چنانچہ ایک ایسی

جماعت پیدا ہوگئی جس کے افراد نہ صرف خود انگریزی ادب کی لطافتوں
سے شادکام ہوتے تھے بلکہ دوسروں کے دل و دماغ کو بھی ان جواھر
ریزوں کی چمک دمک سے منور کرتے رہتے تھے۔ اس تگ و دو
کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں انگریزی افسانوں اور ناولوں کے
تراجم کی مانگ بڑھ گئی۔ اور مذاقِ عامہ میں ایک خوشگوار انقلاب برپا ہوگیا۔

تراجم کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور اس سے اردو ادب
کو بہت زیادہ تقویت پہنچ رہی ہے۔ چنانچہ ایک طرف اگر تراجم کے
طفیل افسانہ نویس اپنے فن کو چمکانے کے قابل ہوگئے ہیں تو دوسری
طرف افسانہ خوان طبقہ کا ذوق بھی بڑی حد تک پاکیزہ اور بلند ہو چکا ہے۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ گزشتہ چند برس میں مغربی
افسانوں کے اردو میں جو بہترین تراجم ہوئے ہیں اُن کو یکجا کردیا
جائے۔ یہ تو دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس مختصر تالیف میں وہ سب
کچھ سمٹ آیا ہے جو مغربی افسانہ نگاری کی پوری طرح نمائندگی کرسکے
لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس تالیف میں اُن شہرت یافتہ
مترجمین کے شاہکار شامل ہیں جو ہر حلقہ میں مقبولیت کا درجہ حاصل
کرچکے ہیں۔

جن حضرات نے اس مجموعہ کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے تراجم

ارسال فرمائے اُن کی خدمت میں حلقہ احباب ترقی پسند لاہور کی طرف سے ہدیۂ تشکر پیش کیا جاتا ہے ؛

لاہور یکم جون ۱۹۴۴ء

شبلی۔ بی کام
(مدیر عالمگیر و خیام)

قمر تسکین

(حلقہ احباب ترقی پسند
مہنی روڈ۔ لاہور

نفرت!

نوشتہ:- پال ہیس

مترجم:- تمنائی

بمشکل ابھی صبح ہوئی تھی۔ کوہ آتش فشاں کا دھندلا بادل ویسو ویس پہاڑ پر چھایا ہوا شہر نیپلس تک پھیلا ہوا تھا۔ ساحل کے کنارے بسے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی اندھیرے میں تھے۔ سمندر ساکن تھا۔ خلیج سورنتو کے کناروں پر اور اُن کی عورتیں اپنے روزمرہ کے کام شروع کر چکی تھیں۔ کوئی موٹے موٹے رسّوں سے کشتی کو خشکی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ کوئی جال ڈال رہا تھا۔ کوئی بادبان چڑھا رہا تھا۔ کوئی پتوار لئے چلا آرہا تھا۔ غرض کوئی ہاتھ بھی خالی نہ تھا۔ بڑے بوڑھے بھی جنہوں نے سمندری زندگی ترک کردی تھی اپنے بچّوں کو جال کھینچنے میں مدد دے رہے تھے۔ یہاں وہاں مکان کی چھت پر بوڑھی عورتیں سوت کات رہی تھیں یا بچّوں کی —— اپنے نواسوں اور پوتوں کی —— خبرگیری کر رہی تھیں کیونکہ اُن کی مائیں اپنے شوہروں کو مدد دینے ساحل پر گئی ہوئی تھیں۔

ایک بوڑھیا نے اپنی پوتی سے کہا "دیکھتی ہو شیلا! وہ ہیں ہمارے

پادری صاحب۔ انتونیو انہیں اپنی کشتی میں کاپری لے جائے گا۔ لیکن اُن کی آنکھیں نیند کے خمار سے اب تک بھاری ہو رہی ہیں؛"

اُس نے ہاتھ اُٹھا کر یہیں سے اپنے پادری کو سلام کیا۔ پادری اپنی قمیص کا دامن سمیٹ کر کشتی میں بیٹھ گیا۔ سب لوگ اپنے پادری کو رخصت کرنے کے لئے کام چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ پادری نے دائیں بائیں سر کے اشارے سے سب کا سلام لیا۔

ننھی لڑکی نے سوال کیا "پادری صاحب کاپری کیوں جا رہے ہیں؟ دادی!" کیا وہاں کے لوگوں کا کوئی پادری نہیں۔ جو ہمارے پادری کو قرض لیتے ہیں؟"

دادی نے کہا "پگلی! پادری تو بہت سے ہیں۔ لیکن وہاں ایک امیر عورت بیمار ہے۔ پہلے وہ یہیں رہتی تھی۔ اُس وقت بھی بیمار ہوئی تھی اور ہمارے اسی پادری کی دعا سے اچھی ہوئی تھی۔ یہاں سے جاتے وقت اُس نے پادری کو کلیسا کو اور یہاں کے غریبوں کو بہت کچھ دیا تھا۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ وہ جاتی ہی نہ تھی جتنی کہ ہمارے پادری نے وعدہ کر لیا کہ وہ ہمیشہ اس سے ملنے اور اس کے اعترافات سننے جایا کرے گا۔"

یہ کہہ کر بڑھیا نے ایک مرتبہ پھر پادری کو ہاتھ ملا کر سلام کیا۔ کیونکہ اُس کی کشتی اب روانہ ہونے کو تھی۔

"موسم کیسا رہے گا بیٹا؟" پادری نے متفکرانہ نگاہوں سے نیپلس کی طرف دیکھتے ہوئے انتونیو سے پوچھا۔

نوجوان ملاح نے جواب دیا "ابھی سورج نہیں نکلا ہے یہ تمام بادل سورج نکلتے ہی چھٹ جائیں گے۔"

"تو جلدی کرو! دھوپ سے پہلے ہی نکل چلیں۔"

انتونیو نے پتوار لیا مگر اچانک رک گیا۔ سورنتو سے آتی ہوئی سڑک پر اس کی نظریں جم گئیں۔ ایک لمبی، نازک، نسوانی شکل تیزی سے بڑھتی چلی آرہی تھی اور رومال ہلا ہلا کر اشارے کر رہی تھی۔

اس کی بغل میں ایک گٹھری تھی۔ وہ معمولی لباس پہنے تھی لیکن اس کا سر ایک خاص مغرورانہ انداز سے نیچے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ بالوں کی گھنگھریالی لٹیں پیشانی پر لٹکی ہوئی تھیں۔

"اب انتظار کیا ہے؟" پادری نے سوال کیا۔

"ایک اور شخص کاپری جانا چاہتا ہے ـــــ بشرطیکہ آپ اجازت دیں۔ ذرا بھی دیر نہ ہوگی نہ کشتی ہی آہستہ چلے گی۔ وہ ایک لڑکی ہے ابھی اٹھارہ برس کی بھی نہیں ہے۔"

پادری نے پہچان کر بولا "لاریلا! اسے کاپری میں کیا کام ہے؟"

انتونیو نے اپنے کندھے ہلائے۔ لڑکی تیزی سے بڑھتی چلی آرہی تھی۔

اس کی نظریں سامنے تھیں۔

"اخاہ! غصّہ در پری! صبح بخیر!" ایک دو نوجوان ملاح چلائے۔

اگر پادری وہاں نہ ہوتا تو وہ کچھ اور بھی کہتے۔ جس صبر سے تیوری پر بل ڈال کے اس نے مذاق سنا اور برداشت کیا ملاحوں کی طبیعت اور الجھ گئی۔

پادری نے کہا "لاریلا! کیسی ہو؟ ہمارے ساتھ ساپرنی چلتی ہو؟"

"اگر مجھے باپ کی اجازت ہو۔"

انتونیو سے اجازت لے لو۔ کشتی اس کی ہے۔ ہر آدمی اپنی چیز کا مالک ہے اور خدا ہم سب کا مالک ہے!"

لاریلا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا "یہ میرے پاس چھ پیسے ہیں، اگر کرایہ کو کافی ہوں؟"

"مجھ سے زیادہ تمہیں ان کی ضرورت ہے۔" انتونیو نے جواب دیا۔ اور نارنگی کی ٹوکریاں ہٹا کر جگہ بنانے لگا۔ وہ جزیرہ میں نارنگیاں لے جا کر بیچا کرتا تھا۔

لاریلا نے اپنی سیاہ بھنویں سکیڑ کر کہا "لیکن میں مفت تو نہ جاؤں گی۔"

پادری نے کہا "آ بیٹی! انتونیو اچھا لڑکا ہے۔ وہ تیرے پیسوں سے امیر ہونا نہیں چاہتا۔ آ چلی آ" پادری نے سہارا دینے کو لڑکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "بیٹھ جا دیکھ اس نے تیرے لئے اپنا جیکٹ بچھا دیا ہے۔ سب جوان ایسا ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ اٹھارہ سال کی ایک چھوٹی لڑکی کے لئے اتنا کرتے ہیں۔

جتنا دس پادریوں کے لئے بھی نہیں کرتے ——— نہیں، نہیں انتونیو معذرت کی ضرورت نہیں، یہ خدا کی مرضی ہے کہ جلبس جلبس کی طرف جھکے"

اس اثنا میں لاریلا کشتی میں آچکی تھی۔ اُس نے پہلے انتونیو کی جیکٹ ہٹا دی اور پادری کے نزدیک بیٹھ گئی۔ انتونیو مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بولا اور کشتی روانہ ہوئی۔

پادری نے پوچھا "اس گٹھڑی میں کیا لئے جارہی ہو؟" وہ اب کھلے سمندر میں آچکے تھے جس کی نیلی سطح کو آفتاب کی پہلی کرنوں نے منوّر کرنا شروع کردیا تھا۔

"ریشم دھاگا اور روٹی، ریشم جزیرے میں ایک فیتہ بنانے والی بڑھیا خرید لے گی اور دھاگا ایک دوسری!"

"دھاگا تو تم نے خود کاتا ہوگا"

"جی ہاں"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ تم نے فیتہ بُننا بھی سیکھا تھا"

"ہاں لیکن امّاں کی بیماری نے مجھے گھر سے نکلنے ہی نہیں دیا۔ کہ اس کی اچھی طرح مشق کرتی۔ خود ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ بُننے کی مشین خرید سکیں"

کیا پہلے سے حالت زیادہ خراب ہے؟ ——— پچھلی دفعہ جب میں نے اُسے دیکھا تھا تو وہ ذرا اچھی تھی"

"یہ موسم انہیں ہمیشہ تکلیف دیتا ہے۔ پچھلے طوفان اور زلزلے کے بعد سے تو وہ بالکل بستر سے لگ گئیں"۔

دعا کر بیٹی! کبھی عبادت سے غافل نہ ہو۔ دعا سے باز نہ آ۔ شاید کنواری مریم تیری سفارش کریں۔ محنتی اور نیک بن تاکہ تیری دعائیں قبول ہوں"

چند لمحے کی خاموشی کے بعد:۔

"ابھی جب تم ساحل کی طرف آ رہی تھیں۔ میں نے سنا کہ ملاح تجھے "مقتدرہ" کے لقب سے پکار رہے تھے یہ کیوں؟ یہ لقب تو ایک مسیحی دوشیزہ کے لئے جسے حلیم اور خوش مزاج ہونا چاہئے کچھ اچھا نہیں"۔ دوشیزہ کا گندمی چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"وہ اسی طرح مجھے چڑاتے ہیں کیونکہ میں اور لڑکیوں کی طرح ناچتی گاتی اور ان سے ہنسی مذاق نہیں کرتی۔ مجھے وہ کیوں پریشان کرتے ہیں؟ میں نے تو ان کا کچھ بگاڑا نہیں"۔

"ہاں لیکن تم مہذب تو ہو سکتی ہو۔ جن کے لئے زندگی آسان ہے اُنہیں ناچنے گانے دو۔ لیکن مصیبت زدوں سے کم از کم میٹھی بات تو ممکن ہے"۔

دوشیزہ کی آنکھیں جھک گئیں گویا اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ اس کا راز افشا نہ کر دیں۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پہاڑی سلسلے کے اوپر چمکیلا آفتاب نظر آ رہا تھا

ویسووئیس کی چوٹی البتہ اب تک بادلوں میں چھپی ہوئی تھی۔ سورنتو کی خلیج کے چھوٹے چھوٹے سفید مکان نارنگی کے سبز سبز باغوں میں سے دکھائی دے رہے تھے۔

پادری نے پوچھا: "اُس مصوّر کے بارے میں پھر تجھے کوئی خبر ملی لاریلا؟ وہ بے چارہ تجھ سے شادی کرنے کا کتنا خواہشمند تھا!"

"میری تصویر کیوں اُتارنا چاہتا تھا؟ مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں موجود ہیں۔ کون جانتا ہے میری تصویر لے کر وہ کیا کرتا؟ شاید جادو کرتا، میری رُوح کو تکلیف دیتا۔ مجھے قتل کر ڈالتا، میری ماں کہتی تھی!"

پادری نے خلوص سے کہا: "یہ گناہ کی باتیں ہیں بیٹی! کیا تو خدا کی امان میں نہیں جس کے حکم کے بغیر تیرا اُ ایک بال تک نہیں ہل سکتا؟ تو کیا ایک بے چارہ فانی انسان ایک تصویر لے کر تجھ پر غالب آسکتا ہے؟ پھر وہ تو تجھ سے محبت بھی کرتا تھا ورنہ شادی کی درخواست کیوں کرتا؟"

لڑکی کچھ نہ بولی۔

"تم نے انکار کیوں کر دیا؟ لوگ کہتے ہیں وہ بڑا شریف تھا ——— اور وجیہہ بھی۔ تیری اور تیری ماں کی خبر گیری کرتا ——— جتنا تو ریشم بن بن کر کر سکتی ہے اس سے زیادہ!"

لڑکی نے متاثر ہو کر کہا۔ ہم لوگ بڑے غریب ہیں۔ میری ماں مدت سے بیمار ہے۔ ہم اس پر بوجھ ہو جاتے ہیں۔ پھر میں ایک بیگم بننے کے لائق بھی نہیں۔ جب اس کے دوست آتے وہ شرمندہ ہوتا!"

"تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ میں کہتا ہوں وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید وہ تمہارے ساتھ سوزنتو ہی رہ جاتا۔ ایسا شوہر شاید ہی تمہیں ملے۔ خدا نے اسے خاص تمہارے لئے بھیجا تھا۔"

"میں شوہر نہیں چاہتی ——— میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔ لاریلا نے آہستہ مگر فیصلہ کن انداز سے کہا!۔

"کیا تم نے قسم کھالی ہے؟ یا رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ ہے؟"

اس نے سر کے اشارہ سے انکار کیا۔

لوگ غلط تو نہیں کہتے کہ تو ضدی ہے! کیا تو نے کبھی غور کیا ہے کہ تو دنیا میں بالکل اکیلی ہے۔ تیری ضد ماں کی زندگی تلخ کرنے والی ہے کیا تیرے پاس کوئی وجہ بھی ہے کہ تو ایسے آدمی کو جس نے تجھے اور تیری ماں کو مدد دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا رد کر دیتی؟ لاریلا جواب دے!

اس نے آہستہ سے رکتے ہوئے کہا "میرے پاس وجہ ہے لیکن بتاؤں گی نہیں!"

"نہیں بتائے گی؟ مجھے نہیں بتائے گی؟ میں جو تیرا پادری ہوں۔

تو خوب جانتی ہے تیرا خیر خواہ ہوں ـــــــ یا نہیں لاریلا؟"

لاریلا نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

"تو بیٹی مجھے اپنے دل کی باتیں بتا۔ اگر وجہ معقول ہوگی تو سب سے پہلے میں ان کی تائید کرونگا۔ تو ابھی کم سن ہے، اس دنیا سے بے خبر! ایک زمانہ آئے گا جب تجھے اپنی ضد سے ایسا زرّیں موقع کھو دینے کا سخت افسوس ہوگا۔"

لاریلا نے شرمائی ہوئی نظریں کشتی کے دوسرے کنارے کی طرف اُٹھائیں۔ جہاں انتونیو بیٹھا تیزی سے ڈانڈ چلا رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں دور سمندر سے پرے اُفق پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اپنے خیالات میں غرق تھا۔

پادری نے دوشیزہ کو اُدھر دیکھتے ہوئے دیکھا اور اپنا کان اُس کے قریب کر دیا۔

"آپ میرے باپ کو تو نہیں جانتے؟" لڑکی نے آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک پیدا کر کے پوچھا!

"تیرا باپ؟ تو تو ابھی دس ہی برس کی تھی کہ خدا نے اُس کو بلا لیا (آسمان کی بادشاہت میں اُسے جگہ ملے) تیری اس ضد سے تیرے باپ کو کیا واسطہ؟"

"آپ نہیں جانتے۔ آپ کو نہیں معلوم۔ میری ماں کی بیماری کا سبب وہی ہے!"

"کیسے؟"

اپنی بدسلوکی سے، وہ اُسے مارتا اور سخت اذیت دیتا تھا۔ مجھے وہ راتیں یاد رہیں گی۔ جب وہ جنون کی حالت میں گھر آتا، میری ماں ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ نکالتی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتی۔ مگر پھر بھی وہ اُسے مارتا اتنا کہ میرا دل دُکھ اُٹھتا۔ میں اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانک لیتی اور سونے کا بہانہ کر لیتی۔ لیکن میں پڑی تمام رات روتی رہتی۔ جب پھر وہ بے حال ہو کر گر پڑتی تو وہ یکایک بدل جاتا۔ دوڑ کر اُسے اُٹھاتا اور سینے سے لگا کر بھینچ بھینچ کر اتنا پیار کرتا کہ میری ماں گھبرا اُٹھتی! میری ماں مجھے ہمیشہ منع کرتی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔ جب سے یہ بھی بیمار ہو گئی ہے۔ اور اگر ــــــ خدانخواستہ ــــــ مر گئی تو میں جانتی ہوں کہ اس کا قاتل کون ہوگا!"

پادری سر ہلانے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس عجیب منطق کی کیا توجیہہ کرے اور اسے کیسے قائل کرے۔

بالآخر اُس نے کہا: "اپنے باپ کو معاف کر دو۔ جیسے تمہاری ماں نے اُسے معاف کر دیا ہے۔ پُرانی باتوں کی تکلیف دہ یاد کو بھلا دو۔ مستقبل

میں تمہارے اچھے دن آئیں گے جو ماضی کا رنج مٹا دیں گے۔"

اُس نے جھرجھری لے کر کہا "میں کبھی نہیں بھول سکتی!" یہی وجہ
کہ میں نے عمر بھر تنہا رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں کسی مرد کی لونڈی نہیں
بنونگی۔ جو پہلے مجھے مارے اور پھر پیار کرے۔ اگر موجودہ صورت میں
کوئی مارے، یا پیار کرے، تو میں اس سے نبٹ سکتی ہوں۔ لیکن میری ما
نہ اس کی مار کا مقابلہ کر سکتی تھی نہ پیار کا۔ کیونکہ وہ اُس سے محبت ک
تھی۔ میں کسی مرد سے ایسی محبت نہیں کرونگی جو بیمار کر دے یا اذیت پہنچا

"تو ابھی بالکل بچہ ہے اور ایسی باتیں کرتی ہے۔ جن سے معلوم ہوتا
کہ زندگی کے متعلق تجھے کچھ واقفیت نہیں۔ کیا سب مرد تمہارے با
ہی کے سے ہیں؟ کیا سب اپنی بیویوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ک
ہیں؟ کیا تو نے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں دیکھا؟ یا ایسی خوش نصیب بی
جو اپنے شوہروں کے ساتھ آرام و اطمینان سے رہتی ہیں؟"

لیکن میرے ماں باپ کا حال بھی کون جانتا ہے؟ اُنہیں بھی لو
خوش قسمت خیال کرتے ہیں۔ میری ماں مر جانا پسند کرتی مگر اس
شکایت اسے پسند نہ تھی۔ اس لئے کہ اسے محبت تھی۔ اگر محبت یہی
اگر محبت ہماری زبان گونگی کر دیتی ہے کہ ہم کچھ بول نہ سکیں۔ اگر محبت
صرف تکلیف ہی سہنی پڑتی ہے تو میں کسی مرد سے محبت نہ کرونگی۔"

"میں نے کہہ دیا تو بالکل بچہ ہے۔ تجھے خود خبر نہیں تو کیا کہہ رہی ہے۔ جب وقت آجائے گا تیری رائے نہیں پوچھی جائے گی کہ آیا تو محبّت کرنا پسند کرتی ہے یا نہیں؟"

پادری نے ذرا ٹھہر کر پھر سوال کیا "کیا مصوّر بھی تمہارے خیال میں سنگدل ہی تھا؟"

"اُس کی نظریں بالکل ویسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی اُس وقت ہو جایا کرتی تھیں۔ جب وہ میری ماں کو اُٹھا کر پیار کرتا اور اُس کی خوشامد کرتا تھا۔ وہ نظریں میں خوب پہچانتی ہوں۔ آہ مرد ایسی نظروں سے دیکھتا بھی ہے اور پھر اپنی بے قصور بیوی کو مارتا بھی ہے۔ مجھے ایسی نظروں کو دیکھ کر سخت جلن ہونے لگتی ہے!"

اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولی۔ پادری بھی خاموش ہو گیا۔ اُسے بہت سے اقوال اب یاد آ چکے تھے جن سے وہ اُسے قائل کر سکتا تھا۔ لیکن وہ چپ رہا کیونکہ یہ گفتگو سن کر نوجوان ملّاح کے چہرے سے غصّہ کا اظہار ہو رہا تھا۔

دو گھنٹے کے بعد کشتی کابیری کے گھاٹ پر پہنچ گئی۔ انتونیو نے پادری کو گود میں اُٹھا لیا اور ٹخنے ٹخنے پانی میں چل کر اُسے خشکی پر اتار دیا۔ لیکن لاریلا نے اُس کے واپس آنے کا انتظار نہ کیا۔ ایک ہاتھ میں کھڑاؤں کی دوسرے سے گٹھری اُٹھائی اور اُچھلتی کودتی ساحل پہ پہنچ گئی۔

پادری نے انتونیو سے کہا "میں کاپری میں کچھ دیر ٹھہروں گا" انتظار کی ضرورت نہیں ——— شاید میں کل سے پہلے نہ لوٹ سکوں۔ لاریلا گھر جاکر اپنی ماں کو میرا سلام کہہ دینا۔ اسی ہفتے میں اسے دیکھنے آؤں گا۔ رات سے پہلے واپس چلی جاؤگی نا؟"

لڑکی نے اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے جواب دیا "اگر ممکن ہوا۔

"بے پروائی کا انداز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے انتونیو بولا لیکن مجھے لوٹنا ضرور ہے۔ میں شام تک انتظار کرونگا۔ اگر تم نہ آئیں تو میں جلد چلا جاؤنگا۔"

پادری نے تنبیہاً کہا "تم ضرور واپس آجانا! لاریلا "رات بھر ماں کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔ کیا تمہیں دور جانا ہے؟"

انا کاپری کے پاس انگوروں کے باغ میں۔"

"اور مجھے کاپری جانا ہے۔ جاؤ خوش رہو میری بچّی ——— اور تم بھی میرے بیٹے!"

لاریلا نے پادری کا ہاتھ چوما۔ اور اس طرح "خدا حافظ کہا" کہ ملّاح بھی مخاطب تھا۔ لیکن انتونیو نے اس میں اپنا کچھ حصّہ خیال نہ کیا۔ ٹوپی اُٹھا کر لاریلا کی طرف دیکھے بغیر اُس نے پادری کو سلام کیا۔ لیکن جب دونوں روانہ ہوگئے تو کچھ دیر تک وہ پادری کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر فوراً ہی اُس نے اپنی نظروں کو لاریلا کے تعاقب

میں دوڑا دیا۔ لاریلا نے داہنی طرف مڑکر دھوپ سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے بلندی پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ جیسے تھک کر رُک گئی اور مڑکر دیکھنے لگی۔ اس کے سامنے وسیع سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اس کی نیلگوں چمک اس وقت تک اپنی بہار دکھا رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف صاف دُھلی ہوئی چٹانیں سر اُٹھائے کھڑی تھیں۔ عجیب منظر تھا۔ لیکن اتفاقاً اس کی نظریں انتونیو کی نظروں سے جو اس کا تعاقب کر رہی تھیں جا لڑیں۔ بیک وقت دونوں نے ایسی جنبش کی گویا اُنہوں نے کوئی غلطی کی ہے۔

لاریلا نے جھنجھلا کر تیزی سے اپنا راستہ لیا۔ . . .

دوپہر ڈھلے ایک گھنٹہ ہو گیا۔ انتونیو کو ماہی گیروں کے شراب خانے میں بیٹھے دو گھنٹے گزر گئے وہ از حد متفکر معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اُٹھتا اور جزیرے کے دونوں شہروں کو جاتی ہوئی سڑکوں پر نظر ڈال کر چلا آتا۔ اسے موسم کا کچھ اعتبار نہ تھا۔ کیا خبر کہ رات تک موسم بدل جائے؟

"کیا یہاں سیاح بہت آتے ہیں" شراب خانے کے مالک نے اس سے پوچھا۔

"ابھی تو آنا شروع ہوئے ہیں۔ اب تک موسم ہی خراب تھا۔ انتونیو نے جواب دیا۔

"اب کی بہار بھی دیر میں آئی۔ تمہارے یہاں کیا اس جزیرے سے
زیادہ آمدنی ہے؟"

انتونیو نے کہا "پیٹ بھی نہ بھرتا اگر کشتی نہ ہوتی۔ کبھی کبھی کوئی خط جز
میں پہنچانے کو مل جاتا ہے۔ کبھی کوئی شوقین مزاج مچھلی کے شکار کے
مجھے طلب کرتے ہیں۔ لیکن میرا چچا نارنگی کے کئی باغوں کا مالک ہے وہ ک
کرتا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں تجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ مرتے وقت
بھی تجھے نہ بھولونگا!"

"اس مالدار چچا کے اولاد بھی ہے؟ عورت نے سوال کیا۔

انتونیو نے کہا "نہیں" اُس نے شادی ہی نہیں کی۔ دوسرے ملکو
میں رہ کر کافی دولت جمع کرلی ہے۔ وہ عنقریب ہی مچھلی کی تجارت بڑ
پیمانے پر کرنے والا ہے۔ اس کا انتظام میرے ہی سپرد ہوگا!"

"انتونیو! تمہاری قسمت تو کھل گئی!"

"زندگی کا بوجھ سب کے لئے ہے!" نوجوان ملّاح نے شانہ ہلاکر کہا اور با
نکل کر تمام راستہ آسمان دیکھنے لگا۔ حالانکہ اُسے خوب معلوم تھا کہ مو
معلوم کرنے کے لئے ہر طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

عورت نے پوچھا "ایک بوتل اور لاؤں؟ تمہارا چچا قیمت تو ادا کر
دے گا!"

بس اب نہیں! کاپری کی شراب بہت تیز ہے۔ ایک گلاس سے سر
چکرا گیا!"

لیکن یہ خون کو نہیں گرماتی۔ تم جتنی چاہو پی سکتے ہو ——— ایلو میرے شوہر
بھی آ گئے۔ بیٹھو ان سے باتیں کرو!"

اتنے میں عورت کاپری کی خالص شراب کی دوسری بوتل لائی۔ کسی کے
قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ بائیں طرف والی سڑک سے لاریلا آ رہی تھی۔
انتونیو تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ لاریلا آ کر متردّد سی کھڑی ہو گئی۔

انتونیو نے شرابخانے کے مالک اور مالکہ سے کہا "یہ خاتون سورنتو سے
صبح پادری کے ساتھ آئی تھیں اور انہیں رات سے قبل اپنی بیمار ماں کے
پاس پہنچنا ہے۔"

شراب خانے کے مالک نے کہا "اچھا، اچھا! رات کو ابھی کافی دیر ہے!
بیگم، ایک گلاس اور لاؤ۔"

لاریلا نے دور ہی سے کہا "شکریہ میں تو اس وقت نہیں پیتی!"

"لاؤ۔ لاؤ! انہیں تھوڑے سے اصرار کی ضرورت ہے!"

انتونیو نے سمجھایا "خدا کے لئے چھوڑ دیجئے! یہ بڑی ضدی لڑکی ہے۔
کوئی اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتا!"

——— اور پھر وہ چشم زدن میں اپنی کشتی پر تھا۔ اس نے رسّی کھول دی اور

انتظار کرنے لگا۔ لاریلا نے سر کے اشارے سے عورت کو سلام کیا اور
آہستہ آہستہ کشتی کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا شاید
کسی مسافر کی امید میں! لیکن گھاٹ بالکل خالی تھا! ماہی گیر سو رہے
تھے یا کنارے پر جال ڈال رہے تھے۔ عورتیں بھی اِکّا دُکّا ---- دروازوں
میں بیٹھی جال بننے میں مصروف تھیں۔

چاروں طرف دیکھنے کا اسے زیادہ موقع نہ ملا۔ قبل اس کے کہ لاریلا اسے
روک سکے انتونیو نے اسے گود میں اُٹھا کر کشتی پر لا بٹھایا ---- گویا وہ کوئی
چھوٹا سا بچہ تھی!

کشتی روانہ ہو گئی!

لاریلا کشتی کے بالکل ایک کنارے جا بیٹھی۔ اور اس نے اپنی پشت کو
اتنا گھما دیا کہ اب انتونیو اس کا آدھا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے چہرے
سے غیظ و غضب کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کی سیدھی بھنویں سکڑ گئی تھیں۔
کچھ دور خاموشی سے جانے کے بعد اُس نے آفتاب کی تپش محسوس
کی۔ اُس نے گٹھری کھول کر رومال سر پر رکھ لیا اور روٹی کھانے لگی۔
کیونکہ کاپری میں اُس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

انتونیو اب چپ نہ رہ سکا۔ اُس نے ٹوکری سے دو نارنگیاں نکال کر بڑھا دیں
اُس نے کہا "لاریلا روٹی ان کے ساتھ کھاؤ۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں نے یہ

نارنگیاں تمہارے لئے بچا رکھی تھیں یہ ٹوکری سے گر گئی تھیں۔ شہر سے
لوٹنے پر یہ مجھے نظر آئیں۔"
لیکن انتونیو اس وقت سچ نہ بول رہا تھا۔
"تم ہی کھاؤ۔ میرے لئے روٹی کافی ہے۔"
"اس گرمی میں نارنگی اچھی ہوتی ہے۔ تم بہت چل کر آئی ہو۔"
"میں پانی پی چکی ہوں۔"
"اچھا تمہاری مرضی۔" ملّاح نے یہ کہا اور نارنگیوں کو کشتی میں ڈال دیا۔
خاموشی!
سمندر شیشے کی طرح شفاف تھا۔ موجیں سوئی ہوئی تھیں۔ سفید آبی
چڑیاں بھی اپنے شکار کا تعاقب بے آواز پرواز سے کر رہی تھیں!
انتونیو نے پھر سلسلہ گفتگو شروع کیا "تم اپنی ماں کے لئے نارنگیاں
لیتی جاؤ!"
"گھر پہ نارنگیاں ہیں اور جب وہ ختم ہو جائینگی تو میں اور خرید سکتی ہوں۔"
"انہیں بھی لے جاؤ نا میرے سلام کے ساتھ اپنی ماں کو دینا۔"
لاریا نے جھنجھلا کر کہا "وہ تمہیں نہیں جانتی۔"
"تم بتا دینا"
"میں بھی تو تمہیں نہیں جانتی۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ لاریلا نے اس سے تجاہل برتا تھا۔ گزشتہ سال ایک اتوار کو جب مصوّر پہلی بار گاؤں میں آیا تھا۔ انتونیو اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گیند کھیل رہا تھا۔

وہیں پر مصوّر نے لاریلا کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ سر پر گھڑا لئے بغیر اس کی طرف دیکھے گزر گئی تھی۔ مصوّر اس کے حسن و جمال سے مبہوت کھڑا رہ گیا تھا اور اُسے یہ بھی خیال نہ رہا تھا کہ وہ کھیل کے درمیان کھڑا ہے۔ ایک گیند اس کی پسلی میں اس زور سے آکر لگی کہ وہ اپنے خیالات سے چونک پڑا۔ گویا اسے بتایا جا رہا تھا کہ تم غلط جگہ پر کھڑے ہو۔ گیند پھینکنے والا انتونیو کے سوا اور کوئی نہ تھا

کئی ہفتے بعد جب لاریلا نے شادی کی درخواست نامنظور کر دی تو مصوّر نے کہا تھا "کیا تم میری درخواست کو اُس بدتہذیب چھوکرے کی وجہ سے رد کرتی ہو؟" مگر لاریلا نے تیز ہو کر کہا تھا "میں تو اُسے جانتی بھی نہیں!"

حالانکہ وہ گیند کے واقعے سے واقف ہو چکی تھی اور انتونیو کو اچھی طرح جانتی تھی۔

اور اس وقت دونوں ایک ہی کشتی میں بیٹھے تھے۔ دو دشمنوں کی طرح دونوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

انتونیو کا ہنس مکھ چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ وہ اتنی زور سے پتوار چلا رہا تھا کہ چھینٹیں اُڑ اُڑ کر لاریلا پر پڑ رہی تھیں! ساتھ ساتھ اس کے ہونٹ ہل رہے

تھے، گویا غصہ میں کچھ بڑبڑا رہا ہو!

لاریلا اس طرح بیٹھی تھی گویا اُسے دیکھ ہی نہیں رہی ہے۔ بڑی بے پروائی سے کشتی کے کنارے پر جھکی ہوئی ہاتھ دریا میں ڈالے پانی سے کھیلتی جارہی تھی۔ پھر اس نے سر کا رومال کھول ڈالا، اور بالوں کو درست کرنے لگی۔ گویا اور کوئی وہاں موجود ہی نہیں۔ اس کی بھنویں سُکڑی ہوئی تھیں! اس نے اپنے جلتے ہوئے گالوں پر بھیگے ہوئے ہاتھ رکھے۔

کشتی انہیں کھلے سمندر میں لے آئی۔ جزیرہ بہت دور پیچھے تھا اور ساحل سامنے، دور! قرب و جوار میں کوئی اور کشتی نہ تھی ——— خاموشی میں خلل ڈالنے کو کچھ نہیں!

انتونیو نے چاروں طرف دیکھا جیسے کوئی عزم مصمم کر رہا ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ غائب ہو گیا۔ اُس نے پتوار چھوڑ دیا۔

لاریلا نے بلاارادہ اُس کی طرف دیکھا ——— بے خوف، لیکن متوجہ!...

انتونیو بول اُٹھا "اب فیصلہ ہو جانا چاہیئے۔ یہ کھیل بہت ہو چکا۔ تعجب ہے میں ابتک مر کیوں نہیں گیا۔ تم کہتی ہو مجھے نہیں جانتیں۔ حالانکہ برابر دیکھتی رہی ہو کہ پاگلوں کی طرح تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں کہ تم سے اپنے دل کی باتیں کہوں!... لیکن تم نفرت سے منہ پھیر لیتی ہو!"

اس نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا "لیکن میں تم سے کیا کہتی؟

میں دیکھتی تھی کہ تم مجھ سے تعارف پیدا کرنا چاہتے ہو۔ لیکن میں بلا وجہ لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتی۔ میں تمہیں اپنا شوہر بنانا نہیں چاہتی ___ نہ کسی اور کو!"

"نہ کسی اور کو؟ ..... تم ہمیشہ ایسا نہیں کہو گی۔ ابھی تم اس لئے ایسا کہہ رہی ہو کہ حضور تمہیں پسند نہیں۔ ابھی تم بچہ ہو آئندہ کسی نہ کسی کو شوہر بناؤ گی ضرور!"

لاریا نے سنجیدگی سے کہا "کون جانتا ہے؟ مستقبل کی کسے خبر ہے؟ ہو سکتا ہے کہ میں اپنا خیال بدل دوں۔ تمہیں اس سے کیا؟"

"مجھے کیا؟ انتونیو نے چیخ کر کہا اور کھڑا ہو گیا کشتی اِدھر اُدھر جھکنے لگی "تم پوچھتی ہو مجھے کیا؟ خوب جانتی ہو! سن لو! میں کہتا ہوں جس شخص کو بھی تم مجھ پر ترجیح دو گی میرے ہاتھوں سے اُسے سخت اذیت اُٹھانی پڑے گی اُس کی جان جائے گی!"

"تو کیا میں نے تم سے کوئی وعدہ کیا ہے؟ اگر تم پاگل ہو جاؤ۔ تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تمہارا مجھ پر کیا حق ہے؟"

ملاح نے بدمزگی سے چلا کر کہا "آہ! میرا حق کہیں لکھا ہوا نہیں ہے کسی وکیل نے وثیقہ نہیں بنایا کسی حاکم کی مہر اس پر نہیں، لیکن یہ میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے تم پر اتنا ہی حق ہے جتنا آسمان (بہشت) میں مجھے حاصل ہے۔ اگر

میں مسیحیت پر مروں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں دوسرے آدمی کے ساتھ گرجا جاتے دیکھوں گا اور چپ رہوں گا؟ کیا مجھے یہ پسند آئے گا۔ لڑکیاں مجھے دیکھ کر انگشت نمائی کریں؟"

"تمہاری جو مرضی ہو کرو۔ میں ان دھمکیوں سے ڈرتی نہیں۔ میرے بھی جو جی میں آئیگا کروں گی"

انتونیو غصّہ سے کانپ اٹھا۔

"میں اب تمہیں ایسا نہ کرنے دونگا۔ تم جیسی ضدی لڑکی کو میں اپنی زندگی برباد نہ کرنے دونگا۔ یاد رکھو تم میرے بس میں ہو تمہیں میرا حکم ماننا پڑیگا"

وہ چونک سی پڑی لیکن اس کی آنکھیں اُسے دلیری سے دیکھ رہی تھیں!

اُس نے بڑے اطمینان سے کہا اگر ہمت ہو تو مار ڈالو!"

"میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں!" انتونیو کی آواز بھرّا گئی۔ "یہاں سمندر کی تہ میں ہم دونوں کے لئے جگہ ہے۔ لڑکی! تو میرے بس میں ہے"......

اس نے آخری الفاظ اس طرح کہے جیسے خواب میں ہو! حسرت کی جھلک کے ساتھ! ...... "لیکن ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ چلنا چاہیئے! ساتھ اور فوراً!" اُس نے چیخ کر یہ کہا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ لیکن فوراً ہی تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ خون کا فوّارہ چھوٹ نکلا۔ لاریلا نے بڑے زور سے کاٹ کھایا تھا۔ لاریلا نے قہقہہ مار کر کہا "مجھے تیرا حکم ماننا پڑیگا؟"......

اور انتونیو کو دھکیل کر دور ہٹا دیا۔

"یہاں میں تیرے اختیار میں ہوں؟" یہ کہہ کر وہ سمندر میں کود پڑی اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

وہ پانی کے اوپر نمودار ہوئی اُس کے کپڑے جسم سے چمٹ گئے تھے۔ بال موجوں کے تھپیڑوں سے کھل گئے تھے اور اس کی لمبی گردن سے لپٹے ہوئے تھے۔ وہ بڑی مہارت سے پیر رہی تھی۔ اُس نے کوئی لفظ نہیں کہا۔ وہ کشتی سے دور ہونے لگی۔ ساحل کی طرف جانے لگی۔

اچانک خوف سے انتونیو سناٹے میں آ گیا۔ وہ بت بنا اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظریں حیران تھیں۔ گویا اُس نے ابھی ابھی کوئی معجزہ دیکھا تھا۔

آخر کار جب اُس کے حواس بجا ہوئے تو اُس نے ڈانڈ اُٹھائی اور پوری قوت سے اُس کے پیچھے کشتی لے چلا۔ کشتی اُس کے خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی!......

لا۔ پلا بڑی تیزی سے جا رہی تھی۔ مگر کشتی جلد ہی اُس کے نزدیک پہنچ گئی۔ اُس نے چلا کر کہا۔ "کنواری مریم کا واسطہ کشتی پر آ جاؤ! میں پاگل ہو گیا تھا۔ خدا جانے کس چیز نے میرا دماغ بالکل تاریک کر دیا تھا۔ گویا مجھ پر بجلی گر پڑی تھی اور میں جل اُٹھا تھا۔ مجھے خود خبر نہ تھی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ لا ریلا! میں

معافی بھی نہیں مانگتا۔ تم کشتی پر چلی آؤ۔ اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو۔"

لاریلا پیرتی رہی۔ گویا اُس نے سُنا ہی نہیں۔

انتونیو نے پھر کہا "تم پیر کر ساحل تک نہیں پہنچ سکتیں! پورے دو میل ہے۔ اپنی ماں کا خیال کرو ــــ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی جان دے دوں گا۔"

لاریلا نے نگاہوں سے دوری کا اندازہ کیا۔ پھر اس کی باتوں کا جواب دیئے بغیر کشتی کے پاس آئی۔ کنارہ پکڑا اور اوپر چڑھنے لگی۔ انتونیو سہارا دینے کے لئے بڑھا۔ کشتی بوجھ سے ایک طرف جھک پڑی۔ انتونیو کی جیکٹ کنارے پر رکھی تھی وہ دریا میں گر پڑی..... لاریلا سہارا لئے بغیر ہی اُچک کر اپنی پہلی جگہ پر آ بیٹھی۔

انتونیو نے اُسے مطمئن دیکھ کر پھر کشتی کھینی شروع کر دی۔ لاریلا اپنے بھیگے ہوئے کپڑوں اور بالوں کو نچوڑنے لگی۔

یکایک اُس کی نظر کشتی کے پیندے پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی۔ معاً اُس کی نگاہیں ہاتھ کی طرف گئیں۔ ہاتھ اس طرح پتوار تھامے تھا۔ جیسے زخمی نہ ہو!

"یہ لو" لاریلا نے اپنا رومال بڑھا کر کہا۔ انتونیو نے ـــ سر ہلا یا اور کشتی چلاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی۔ ملاح کے پاس گئی اور خود زخم کو رومال سے کس کر

باندھ دیا۔ زخم بہت گہرا تھا
اس کے شدید انکار کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے دوشیزہ نے زخمی ہاتھ سے پتوار لے لیا اور انتونیو کے سامنے بیٹھ کر کشتی چلانے لگی۔ ملاح کو وہ نہیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن خون آلودہ ڈانڈ پر اُس کی نظریں جمی ہوئی تھیں دونوں زرد تھے۔ خاموش۔
جب ساحل کے قریب پہنچے تو ماہی گیر صاحب سلامت کرنے لگے۔ بعضوں نے آپس میں کچھ اشارات بھی کئے۔ لیکن وہ دونوں بالکل چپ تھے انہیں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔
آفتاب ابھی چمک رہا تھا۔ لاریلا نے اپنے کپڑے درست کئے، جو اب تک سوکھ چکے تھے۔ اور ساحل پر کود پڑی۔
صبح والی بڑھیا جو انہیں جاتے دیکھ چکی تھی، اب بھی وہیں چھت پر کھڑی تھی۔
وہ چلائی "تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟ انتونیو! خدا خیر کرے! کشتی خون سے بھری ہے!"
نوجوان نے لاپروائی سے جواب دیا "کچھ نہیں" کشتی میں ایک کیل نکلی ہوئی تھی۔ اسی سے زخم لگ گیا ہے! کل تک اچھا ہو جائے گا۔ یہی کمبخت میرا خون تو مصیبت ہے۔ اچھا ہوا نکل گیا!"

"لائیں پٹی باندھ دوں۔ ذرا ٹھہر۔ میں ابھی جڑی بوٹی لاتی ہوں۔"
"تکلیف نہ کرو۔ پٹی بندھ چکی ہے۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائیگا۔"
"خدا حافظ!" لاریلا نے سڑک کی طرف جانے کے لئے مُڑتے ہوئے
کہا۔ وہ ابتک کھڑی بڑھیا کی باتیں سُن رہی تھی!
"خدا حافظ" انتونیو نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا اور اپنی ٹوکری
اور پتوار کشتی سے اُتار کر اپنی جھونپڑی میں چلا گیا۔

انتونیو اپنے کمرے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا لبے شیشہ کی کھڑکیوں
سے آتی ہوئی کھلے سمندر کی ہواؤں سے زیادہ فرحت زا تھی۔ تنہائی اس
کے لئے سکون بخش تھی۔ وہ کنواری مریم کے مجسمے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔
لیکن اُس نے دعا نہ کی۔ اب دعا کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ زندگی کی تمام
آرزوئیں وہ کھو چکا تھا۔
اور یہ دن ختم ہوتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ وہ رات کے لئے بے تاب تھا،
کیونکہ وہ تھکا ہوا تھا۔ اسٹول پر بیٹھ کر اُس نے ہاتھ کی پٹی (لاریلا کا رومال)
کھولی۔ خون جواب تک دبا ہوا تھا بہنے لگا۔ زخم کے چاروں طرف ہاتھ
سوج گیا تھا۔ اس نے ہاتھ دھویا۔ ٹھنڈے پانی سے اُس کے درد میں کچھ
افاقہ ہو گیا۔ لاریلا کے دانتوں کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔

وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "اس کی کچھ خطا نہیں۔ میں وحشی ہو گیا تھا اور اس کی یہی سزا تھی۔ کل بڑھیا کے ہاتھ اس کا رومال واپس کر دونگا۔ اور اب کبھی اس سے نہ ملونگا۔"

دانتوں سے اور بائیں ہاتھ کی مدد سے جوں توں کر کے اس نے پٹی باندھی بستر پر لیٹ رہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ چاند کی تیز شعاعوں اور ہاتھ کے درد نے اسے فوراً ہی پھر جگا دیا۔ ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھونے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔

لاریلا اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ بغیر کچھ کہے سنے اندر چلی آئی، سر سے رومال کھولا اور اپنی ٹوکری میز پر رکھ کر اطمینان کی سانس لی۔

انتونیو نے پوچھا "رومال لینے آئی ہو؟ تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں خود کل صبح بھیج دیتا۔"

لاریلا نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "رومال کے لئے نہیں۔ دیر سے پہاڑی پر خون روکنے والی بوٹیاں تلاش کر رہی تھی۔ یہ دیکھو!" اس نے ٹوکری کا ڈھکنا اٹھا دیا۔

ملاح نے نرمی سے کہا "تم نے بڑی تکلیف کی۔ بہت تکلیف۔ میں تو اب اچھا ہوں۔ بہت اچھا! ... لیکن اگر مجھے تکلیف ہوتی بھی تو میں

اسی لائق تھا! تم اس وقت کیوں آئیں؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ ..... لوگوں کی حالت تم جانتی ہی ہو۔ انہیں اشارہ چاہیئے، چاہے واقعہ کچھ بھی نہ ہو۔" لاریلا نے تیز ہو کر کہا۔ "میں کسی کی بکواس کی پروا نہیں کرتی ؟ میں تمہارا ہاتھ دیکھنے اور دوا لگانے آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے!"

"لیکن اس کی ضرورت نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں"

"تو مجھے دیکھنے دو۔"

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ پکڑ لیا اور پٹی کھول دی۔ ورم دیکھ کر اس نے جھرجھری سی لی اور چلائی "یا اللہ!"

انتونیو نے بے پروائی سے کہا۔ معمولی سا ورم ہے۔ کل تک گم ہو جائیگا!"

لاریلا نے سر ہلایا۔

"تم ایک ہفتے سے پہلے کام پر نہیں جا سکتے"

"زیادہ سے زیادہ ایک یا دو دن"

لاریلا ایک پیالہ لیتی آئی تھی۔ اس نے زخم کو بڑی توجہ سے دھویا۔ انتونیو ایک بچے کی طرح کراہتا تھا۔ لاریلا نے دوا تھوپ دی اور پٹی باندھ دی۔ دوا رگھتے ہی درد میں کمی ہو گئی۔

جب پٹی بندھ چکی تو انتونیو نے کہا:۔

"لاریلا بشکریہ! ــــ اگر مجھ پر ایک اور احسان کرنا چاہو تو میری دن والی دیوانگی معاف کر دو۔ میری سب باتیں بھول جاؤ۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ یہ سب کیونکر ہوا؟ اس میں تمہارا کچھ قصور نہیں، ذرا بھی نہیں۔ اب میری زبان سے کبھی کوئی ناگوار بات نہ سنو گی"۔

لاریلا قطع کلام کرتے ہوئے جلدی سے بولی "معافی مجھے مانگنی چاہیئے مجھے ایسا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے تھا۔ کاش میں تمہیں نرمی سے سمجھا دیتی تمہیں غصہ دلا کر میں نے سخت غلطی کی۔ اور یہ زخم۔ ۔ ۔ ۔ "

"تم نے صرف اپنے بچاؤ کے لیئے ایسا کیا۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا میری دیوانگی حد سے بڑھ چکی تھی۔ میں پھر کہتا ہوں یہ کچھ بھی نہیں! معافی کا ذکر ہی نہ کرو۔ تم نے تو مجھ سے بھلائی کی! اور مجھے تمہارا ممنون ہونا چاہیئے اور یہ لو اپنا رومال لیتی جاؤ!"

انتونیو نے رومال بڑھا دیا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑی رہی، ہچکچاتی ہوئی اُس کے سینے میں سخت ہیجان تھا۔ آخرکار اُس نے کہا:۔

"میری غلطی سے تمہاری جیکٹ بھی چلی گئی۔ نارنگیوں کی تمام قیمت اس کے جیب میں تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اس کا خیال آیا۔ میں اسکی تلافی نہیں کر سکتی ــــ ہمارے پاس اتنا پیسہ کہاں؟ اور اگر ہے بھی تو ماں کا ــــ لیکن یہ چاندی کی صلیب، میری ہے۔ مصوّر نے جاتے وقت

اسے میز پر چھوڑ دیا تھا میں نے آج تک اس پر نظر بھی نہ کی تھی نہ اسے بکس ہی میں رکھا۔ اگر تم اسے بیچ لو تو شاید تمہارے پیسے وصول ہو جائیں ــــــ اور پورے وصول نہ ہوں تو باقی میں ماں کے سو جانے کے بعد روز رات کو سوت کات کر ادا کر دوں گی"

انتونیو نے اس کے ہاتھ کو، جس میں چمکیلی صلیب تھی اپنے سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا "میں ہرگز نہیں لے سکتا!"

لاریا نے کہا "لے لو! کیا جانے کب تک تمہارا ہاتھ کام کرنے کے قابل نہ ہو سکے؟ یہ صلیب رکھی ہے۔ میں اب اسے دیکھ بھی نہیں سکتی!"

"تو سمندر میں ڈال دو!"

میں تمہیں تحفہ نہیں دے رہی ہوں۔ تمہارا مجھ پر قرض ہے میں تو اپنا بوجھ ہلکا کر رہی ہوں!"

انتونیو نے جوش سے کہا "تم پر میرا کوئی قرض نہیں! ہاں اگر تم مہربانی کرنا چاہو تو جب کبھی میں اب ملوں تو میری طرف نہ دیکھو اگر تم دیکھو گی تو مجھے خیال ہو گا کہ تم میری اس حرکت کو یاد کر رہی ہو ــــ اچھا خدا حافظ! یہ ہماری آخری گفتگو ہے"

لاریلا نے رومال ٹوکری میں ڈال دیا صلیب بھی اس میں گرا دی اور ڈھکنا بند کر دیا لیکن انتونیو نے اس کے چہرے کو دیکھا تو چونک پڑا۔ آنسوؤں

کے بڑے بڑے قطرے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔
انتونیو نے گھبرا کر کہا: "خدایا! تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ تم سر سے پیر تک کانپ رہی ہو۔"
"میں بالکل اچھی ہوں۔ مگر اب مجھے گھر جانا چاہئے۔"
لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ دروازے کی طرف بڑھی...... اور دیوار سے سر ٹیک کر رونے لگی..... قبل اس کے کہ انتونیو آگے بڑھے وہ پلٹی اور اس نے اُس کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔
"میں اب اس زندگی کو برداشت نہیں کر سکتی!" اس نے ملاح کو زور سے پکڑتے ہوئے کہا۔ جیسے کوئی دنیا کو چھوڑنے والی رُوح اپنے جسم سے چمٹی جا رہی ہو ـــــ میں برداشت نہیں کر سکتی! تم مجھے اتنی نرمی سے! اتنی محبّت سے جانے کے لئے کہہ رہے ہو، آہ میں تمہیں اس طرح بولتے نہیں سُن سکتی!..... مجھے مارو! کچل دو! ملامت کرو! یا اگر میری ان سب حرکتوں کے باوجود بھی مجھ سے محبت کرتے ہو تو مجھے اپنے پاس ـــــ مجھے اس طرح اپنے پاس سے نہ جانے دو......" سسکیوں کی وجہ سے وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی..... اس کی زبان بند تھی۔ انتونیو اس کے نازک جسم کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا۔
"اگر میں تم سے اب بھی محبت کرتا ہوں؟" اس نے آخرکار کہا "کیا

تم سمجھتی ہو کہ میرا دل خون ہو کر زخم کی راہ بہہ گیا؟ کیا تم اسے دھڑکتے ہوئے سُن نہیں رہی ہو ـــــ جیسے کہ یہ پسلیاں توڑ کر نکل جائے گا ـــــ لیکن اگر تم میرا امتحان لینا چاہتی ہو یا تسلّی دینے کے لئے کہتی ہو تو میں یہ سب باتیں بھلا بھی سکتا ہوں! تم یہ خیال نہ کرو کہ چونکہ میں نے تمہاری وجہ سے دُکھ اُٹھایا ہے۔ اس لئے تم پر میرا اب حق ہے"!

"نہیں" لاریلا نے اس کے کاندھے پر سے سر اُٹھا کر اپنی پُرنم آنکھیں اس کے چہرہ پر جما کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں یہ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ مجھے تم سے محبّت ہے ۔ مجھے اب کہنے دو! چونکہ میں تم سے محبّت کرنے سے ڈرتی تھی اس لئے چڑ چڑا کر باتیں کیا کرتی تھی۔ لیکن اب نہیں ـــــ اور تا کہ تمہیں اب کوئی شک نہ رہے میں تمہیں اپنے ہونٹ چومنے دونگی۔ یاد رکھو لاریلا کے ہونٹ اُس کے شوہر کے سوا اور کوئی نہیں چوم سکتا۔

پھر اُس کے ہاتھوں سے اپنے کو چھڑا کر کہا۔

"خدا حافظ! اب سو رہو اور اپنا ہاتھ اچھا ہو جانے دو ـــــ نہیں میرے ساتھ نہ آؤ۔ میں کسی سے بھی نہیں ڈرتی ـــــ تمہارے سوا"!

ـــــ وہ آہستہ سے نکل کر تاریکی میں غائب ہو گئی!

وہ کھڑکی کے پاس کھڑا ساکن سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نیلے آسمان پر

روشن ستارے اسے رقص کرتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

اعتراف کی کرسی پر بیٹھا پادری خود بخود مسکرا رہا تھا۔ لاریلا نے ابھی ابھی بہت لمبا اعتراف ختم کیا تھا!

پادری اپنے آپ سے کہہ رہا تھا "کون کہہ سکتا تھا کہ خدا اس چھوٹے سے گمراہ دل کو اس قدر جلد ہدایت دے گا؟ ہماری آنکھیں کوتاہ بیں ہیں، آسمان کے راز نہیں دیکھ سکتیں۔ خدا اس پر اپنا فضل کرے اور میں اتنے دن اور زندہ رہوں کہ اپنے باپ کے بجائے لاریلا کا اکلوتا بیٹا مجھے اپنی کشتی پر کھے کر لے جائے!

——— "ہا! غصہ ور دوشیزہ!"

انوکھی شادی

نوشتہ
ایولن نسبٹ

مترجم
جمیل احمد کندھاپوری

کسی کو بھی یہ اُمید نہ تھی کہ جارج کبھی روزی سے شادی کرنے میں کامیاب ہو سکیگا ـــــــ مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اور جس چیز کی اُسے دل و جان سے خواہش تھی وہ کچھ ایسے عجیب و غریب طریقہ پر پیش آئی کہ اس کی تفصیل سُن کر یقیناً آپ کو تعجب سا ہوگا۔ آکسفورڈ جانے سے قبل اُس نے اپنی محبوبہ سے شادی کی درخواست کی۔ مگر اُس جفا شعار نے ہنسکر ٹال دیا۔ گھر آنے پر اُس نے پھر دست سوال دراز کیا۔ مگر اس شوخ نے پہلے کی طرح لب کے پھر خندہ زیر لب کے ساتھ انکار کر دیا۔ تیسری مرتبہ پھر اُس نے اپنی سنگدل محبوبہ سے شادی کی استدعا کی اور اس مرتبہ پھر وہ اپنے عاشق کی حماقت پر دل کھول کر ہنسی۔

گاؤں میں صرف جارج ہی ایک ایسا شخص نہ تھا جو روزی سے شادی کرنیکا آرزومند تھا۔ بلکہ وہ تو تمام گاؤں والوں کی منظورِ نظر تھی۔ اور سب کے سب کسی نہ کسی حد تک اُس کی محبت میں گرفتار تھے اور جب جارج نے کلب میں ہمیں اپنی شادی کی خبر سُنائی تو ہم حیرت سے اُس کا مُنہ تکنے لگے۔

"تمہاری شادی؟"

"شاید تم مذاق تو نہیں کر رہے؟"

"اور وہ خوش نصیب دُلہن ہے کون؟"

کچھ جواب دینے سے پہلے جارج نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرا۔ اور اُسے روشن کر کے متبسّم انداز میں یوں گویا ہوا:۔

"ہاں! میری ہی شادی! ستمبر میں روزی کے ساتھ"

"شاید یہ مذاق کر رہا ہے!"

"روزی کے عشق نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے!"

"نہیں!" میں اُٹھ کر کہنے لگا۔ "مجھے اس کی باتوں سے صداقت کی بُو آتی ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ میرے دوست نے جادو اور سحر کے زور سے کامیابی حاصل کی ہے۔ ورنہ کہیں ممکن تھا کہ ہمارے گاؤں کی سب سے حسین و جمیل لڑکی یوں اس سے وابستہ ہو جانے پر رضامند ہو جاتی"———پھر گلو خلاصی کر کے جارج سے یوں مخاطب ہوا۔ "دوست! ذرا یہ تو کہنا، آخر وہ

کونسا جادو تھا جس سے تم نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی؟"
"جادو!" جارج ہنس کر کہنے لگا۔ "جادو میرا استقلال تھا۔ اور خوش نصیبی میرا سحر!"
اس کی آواز میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ ہم لوگ خاموش ہو گئے۔

سب سے تعجب انگیز بات تو یہ تھی کہ جب ہم نے روزی کو مبارکباد پیش کی تو وہ کچھ اس ادا سے شرمائی اور اس کے رخساروں پر کچھ ایسی بارونق مسکراہٹ پھیلی جس سے یہ مترشح تھا کہ وہ خود جارج کی محبت میں گرفتار ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ ——— عرصہ سے اُس کی پرستش کر رہی ہے ——— اور ہمارا خیال بڑی حد تک صحیح بھی تھا ——— عورتیں فطرتاً نہایت پُراسرار ہوا کرتی ہیں ———
ہم لوگ شادی میں مدعو تھے۔ ان دنوں گاؤں کے ہر گھر میں ہر وقت اسی شادی کا تذکرہ رہتا اور ہر شخص ایک دوسرے سے یہی استفسار کیا کرتا کہ "کیا واقعی روزی، جارج کی محبت کا دم بھرتی ہے؟"
پہلے میں بھی کبھی کبھی اپنے دل سے اس قسم کے سوالات کرنے کا عادی تھا۔ مگر اگست کی ایک ناقابلِ فراموش شام کے بعد مجھے پھر اس قسم کے شکوک پیدا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔
میں ایک دن گرجا کے قبرستان کی طرف سے ہوتا ہوا گھر واپس جا رہا تھا۔

ہمارا گرجا ایک بلند مقام پر واقع تھا اور اس کے اردگرد جو گھاس جمی ہوئی تھی وہ اس قدر نرم اور ملائم تھی کہ کسی مسافر کے قدموں کی آواز مطلق سُنائی نہ دیتی تھی۔ چھلانگ لگا کر میں گرجا کی دیوار کے اُس پار گیا اور قبروں کے درمیان سے ہوتا ہُوا، آگے بڑھنے لگا۔ اُسی وقت میرے کانوں میں جارج کی آواز آئی۔ اور جب میں نے چونک کر گردن اوپر اُٹھائی تو دفعتاً میری نظر روزی پر پڑی۔ ایک چوڑی سی کشادہ قبر کے نیچے وہ بیٹھی تھی اور ڈوبتے ہوئے آفتاب کی کرنیں اس کے چہرہ پر رقص کر رہی تھیں۔ جارج —— قبر پر لیٹا ہُوا تھا اور یہ اُسی کی آواز تھی جو اس وقت ماہ اگست کی اس دلکش شام کے سکوت کو درہم برہم کر رہی تھی۔

"میری پیاری! میری جان! مجھے یقین ہے کہ میری موت کے بعد بھی اگر کسی وقت تمہیں میری ضرورت پیش آئے، تو میں قبر سے نکل کر تمہاری خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا!"

اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے لئے میں ایک دو بار کھانسا۔ اور پھر درختوں کے سایوں میں سے گزرتا ہُوا آگے بڑھ گیا۔

تاریخ شادی سے صرف دو دن پیشتر مجھے ایک کاروباری ضرورت سے شہر جانا پڑا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر ریل گاڑی کے انتظار میں میں وقت گزارنے کے لئے یونہی اپنی گھڑی کو تکتا ہُوا بے تابانہ پلاٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ دفعتاً میری نظر

اس خوش نصیب جوڑے پر پڑی ـــــ جارج اور روزی دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پلاٹ فارم کے آخری حصے میں خراماں خراماں ٹہل رہے تھے۔ دونوں محبت پاش نظروں سے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنی وجہ سے خواہ مخواہ ان کی پُر لطف صحبت میں بیجا مداخلت کروں۔ چنانچہ گاڑی کے پہنچنے تک میں ان کی نظروں سے کتراتا ہوا ادھر اُدھر وقت گزارتا رہا۔ جب گاڑی پہنچ گئی تو میں چپکے سے ایک ڈبے میں داخل ہو کر بیٹھ رہا۔

"ہیلو! بوڑھے دوست!" جارج اتفاقاً میرے ہی ڈبے میں مع اپنے اسباب کے گھس آیا۔ "تم آخر کدھر جا رہے ہو؟ یہ خوش نصیبی ہے تم سے ملاقات ہو گئی میں سمجھتا تھا کہ سفر بے لطف گزرے گا!"

"مگر پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم کہاں کے ارادے سے نکلے ہو؟" ـــــ میں نے جارج سے پوچھا۔ اتفاقاً میری نظریں اس وقت روزی کی ان آنکھوں سے دو چار ہو گئیں بوجہ شدت گریہ سے سُرخ ہو گئی تھیں۔

"بوڑھے برا ہنرج کو دیکھنے جا رہا ہوں" اُس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر اپنی محبوبہ سے دو ایک الوداعی باتیں کرنے کے لئے اپنی گردن دریچہ سے باہر نکالی!

"آہ! جارج! میں چاہتی ہوں کہ تم نہ جاؤ!" ـــــ وہ نحیف آواز میں عاجزانہ

درخواست کر رہی تھی "مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں کوئی المناک حادثہ وقوع پذیر نہ ہو جائے۔

"تو تمہیں یہ خارشہ ہے کہ میں شادی کے وقت تک نہ پہنچ سکونگا؟"

"کچھ بھی جارج تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ" —— یہ جملہ روزی نے کچھ ایسے پُر حسرت لہجہ میں کہا۔ کہ میرا دل پسیج گیا اور کیا عجب کہ اگر یہی جملہ وہ مجھ سے کہتی تو میں گاڑی سے اُتر کر اُس کے ساتھ ہو رہتا۔ مگر میری بجائے وہ جارج سے ہمکلام تھی اور اُس کی طبیعت مجھ سے برعکس واقع ہوئی تھی وہ زندگی میں شاید ہی کبھی اپنی رائے بدلا کرتا اور ارادہ —— اس پر تو وہ سختی سے کاربند رہتا اور کبھی متزلزل نہ ہونے دیتا۔

"مجھے جانا ہی پڑیگا روزی! بوڑھا براؤن جارج تمام عمر مجھ پر اسقدر مہربان رہا ہے۔ اور اگر اس وقت تشویشناک علالت کی حالت میں مَیں اُسے جا کر نہ دیکھوں گا۔ تو بڑی شکایت رہے گی۔ بہرحال گھبراؤ نہیں میں پرسوں وقت مقررہ تک ضرور گھر واپس آ جاؤنگا۔ تاکہ" —— ابھی جارج نے اتنا ہی کہا تھا کہ گاڑی نے سیٹی دی! اور پھر اپنی محبوبہ سے اُس نے سرگوشیوں میں جو کچھ کہا وہ میری سماعت سے بالاتر تھا!

"تو تم یقیناً وقت مقررہ تک واپس آ جاؤ گے نا؟ روزی نے روتے ہوئے پوچھا۔

گاڑی اب آہستہ آہستہ چلنے لگی تھی!

"دنیا کی کوئی طاقت بھی مجھ کو نہیں روک سکتی روزی!"

گاڑی کی رفتار بتدریج تیز ہو گئی اور بہت جلد روزی کی پیاری پیاری صورت اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ پھر خود ہی یوں مخاطب ہوا "مقام سگناوُلی میں میرے گاڈ فادر (god father) مسٹر برانبرج رہتے ہیں۔ ان دنوں وہ سخت بیمار ہیں اور بظاہر زیست کی کوئی اُمید نہیں۔ مجھے اُنہوں نے اپنی علالت کی اطلاع بھیجی تھی۔ چنانچہ میں نے اُن کو جا کر دیکھ لینا ضروری سمجھا۔" اس کے بعد وہ دو ایک مرتبہ آہستہ آہستہ کھانسا اور پھر بولا "کل کسی نہ کسی وقت میں واپس ضرور آ جاؤنگا!"

"اور فرض کرو اگر تمہارے گاڈ فادر کا انتقال ہو جائے؟"

"کچھ بھی ہو! خواہ میری موت ہی کیوں نہ واقع ہو جائے۔ مگر شادی میں پنجشنبہ کے دن روزی سے ضرور ملاقات کرونگا۔" جارج نے اتنا کہہ کر اپنا سگار سلگایا اور پھر تازہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گیا ہو گیا۔

جب گاڑی سگناوُلی اسٹیشن پہنچی۔ تو ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہا اور جارج رخصت ہو کر گاڑی سے نیچے اُترا۔ میں لندن چلا گیا اور رات وہیں گزاری۔

دوسرے دن سہ پہر کو جب میں اپنے گاؤں واپس آیا۔ تو میری بہن نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جارج کدھر ہے؟"

"کیا معلوم!" میں نے قدرے چیں بجبیں ہو کر کہا۔

"میرا خیال تھا کہ شاید تمہیں اس کے متعلق کچھ علم ہو گا!"

"تو کیا وہ اب تک گاؤں واپس نہیں آیا؟" مجھے اس کا یقین تھا کہ وہ گھر واپس پہنچ چکا ہو گا۔

"نہیں! وہ اب تک نہیں پہنچا اور کیا عجب کہ اب وہ کبھی بھی واپس نہ آئے.... میرا تو خیال ہے کہ اب شادی ہرگز منعقد نہ ہو سکیگی"

میری بہن مجھے برافروختہ کرنے کی کچھ ایسی صلاحیت رکھتی ہے جو دوسرے انسانوں میں مفقود ہے!

"بہتر ہو گا اگر تم آئندہ کبھی اس قسم کے احمقانہ الفاظ زبان پر نہ لاؤ" میں نے اپنی بہن سے چیں بجبیں ہو کر کہا ـــــ "شادی کل ہو گی اور ضرور ہو گی اور ایسی کہ تم تمام عمر یاد رکھو گی" ـــــ یہ میری ایک ایسی پیشینگوئی تھی۔ جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

کہنے کو تو میں نے اپنی بہن سے یہ باتیں کہہ ڈالیں۔ مگر جب رات زیادہ ہو گئی اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ جارج اب تک گھر واپس نہیں آیا تو میری حیرت

اور تشویش کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دوسرے دن صبح سویرے مجھے جارج کا ایک خط ملا جس کو پڑھ کر ہیں نے اطمینان کا سانس لیا اور اُسی وقت روزی سے ملنے چلا گیا۔

وہ باغ ہی میں نیلی پوشاک زیب تن کئے ٹہل رہی تھی۔

"تو گویا جارج نے تمہیں بھی اطلاع بھیجی ہے؟"—— روزی نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں! مجھے اُس نے شام کے تین بجے سٹیشن پر بُلایا ہے۔ وہاں سے ہم سیدھے گرجا چلے آئیں گے۔"

روزی کے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ مگر آنکھوں میں کچھ ایسی درخشانی مچل رہی تھی جس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ جارج کی آمد کی خبر سے از حد مسرور ہے۔

"مسٹر برانبرج نے اس سے کچھ اس طرح ایک رات اور ٹھیر جانے کی درخواست کی کہ وہ انکار نہ کر سکا" روزی نے اپنے محبوب کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "جارج فطرتاً نہایت رحمدل ہے۔ مگر میری تو یہی خواہش تھی کہ وہ اس جگہ اب اور نہ ٹھیرتا۔"

میں ڈھائی بجے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ جارج سے مجھے اس وقت کوفت سی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ خیال مجھے بہت آزردہ بنا رہا تھا۔ کہ وہ اسقدر تاخیر سے

پہنچ کر خواہ مخواہ اپنی محبوبہ کی دل آزاری کا باعث بن رہا ہے۔

تین بجے والی گاڑی اسٹیشن پہنچی۔ مگر جارج کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ۳۵ منٹ سے پیشتر کوئی دوسری گاڑی نہیں آتی تھی۔

"خیر اگر وہ آئندہ گاڑی سے بھی آگیا۔ تو ہم پھر بھی وقت مقررہ تک گرجا پہنچ سکتے ہیں"۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ آخر وہ کس قدر احمق ہے کہ پہلی گاڑی سے نہ آیا۔ کوئی عقلمند ایسی حرکت نہ کرتا"

وہ پینتیس ۳۵ منٹ میرے لئے گویا ایک طویل سال تھا۔ میں سٹیشن پر ادھر اُدھر اشتہارات اور ٹائم ٹیبل پڑھتا رہا۔۔۔ کسی چیز کے انتظار سے مجھے سخت نفرت ہے۔۔۔ یوں تو کسی شخص کو بھی کشمکش انتظار کی تلخیاں پسند نہیں۔ مگر مجھے دوسروں کی بہ نسبت کچھ زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ تین بج کر پینتیس منٹ پر آنے والی گاڑی لیٹ تھی۔

پائپ کو دانتوں کے درمیان زور سے دبائے ہوئے میں سگنل کو بغور دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ یکایک نیچے کی جانب جھک گیا۔ پانچ منٹ کے بعد میں اس گاڑی میں سوار ہو گیا۔ جو جارج کو گرجا تک لے جانے کے لئے میں گاؤں سے ساتھ لے کر آیا تھا۔

"چلو! جلدی سے گرجا چلو!" میں نے کہا "جارج اس گاڑی سے بھی نہیں پہنچ سکا"

غصّہ نے اب انتشار اور فکر کی صورت اختیار کر لی "آخر وہ رہ کدھر گیا؟
... کیا یکایک اُس کی طبیعت تو خراب نہیں ہو گئی؟..... مگر ایسا ہوتا تو
وہ ٹیلیگرام سے اس کی اطلاع ضرور بھیجتا ضرور کوئی نہ کوئی خوفناک حادثہ اُسے
پیش آ گیا ہے!" یہ خیال تو کبھی میرے دل میں پیدا ہی نہ ہوتا تھا کہ اس نے
قصداً اُس نے اپنی روزی کو دھوکا دیا ہوگا" بیشک کوئی نہ کوئی خوفناک حادثہ
اُسے پیش آ گیا ہے اور روزی کو اس واقعہ کی اطلاع دینے کی ذمہ داری مجھ
پر عائد ہو گئی ہے" ــــ اس وقت میرے دل میں یہی خواہش تھی ــــ
کہ گاڑی لڑھک جائے اور میرا سر پاش پاش ہو جائے۔ تاکہ اس حسینہ کو یہ
وحشت انگیز خبر میری بجائے کوئی اور سُنا سکے۔

جب میں گرجا کے پاس پہنچا تو چار بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ تماشبینوں
کی دو رویہ قطار یہاں سے وہاں تک جمی ہوئی تھی۔ گاڑی سے اُتر کر میں گرجا
کے احاطہ میں داخل ہونے لگا۔ دروازہ کے پاس ہی ایک دربان کھڑا تھا۔
میں نے اُس سے پوچھا "کیا لوگ ابتک جارج کے منتظر ہیں؟"

"منتظر! نہیں جناب! شادی تو اب ختم بھی ہو چکی ہو گی!"

"تو کیا جارج سگنی ولی سے واپس آ چکا؟"

"جی ہاں! شاید آپ سٹیشن پر اُنہیں نظر انداز کر گئے" وہ کہنے لگا۔ "مگر جناب
مسٹر جارج کو ایسی وحشت انگیز اور سراسیمہ حالت میں میں نے پیشتر کبھی نہ دیکھا

ان کے تمام کپڑے گرد آلود ہیں۔ اور چہرے سے سراسیمگی مترشح ہے۔ سچ پوچھئے تو مجھے اُن کے یہ انداز مطلق پسند نہ آئے۔۔۔۔ اندر بھی لوگ ہر قسم کی چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے مسٹر جارج کسی پریشان کُن اُلجھن میں ہیں۔ یا اُنہوں نے کافی مقدار میں شراب پی لی ہے۔۔۔ وہ خوفناک بھوت جیسے نظر آتے ہیں اور جس وقت وہ اندر داخل ہوئے تو اُن کی آنکھیں آگے کی جانب گڑی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔ نہ اِدھر اُدھر کسی کو دیکھا اور نہ کسی سے مخاطب ہی ہوئے۔۔۔ اُن کی اس تبدیلی نے ہر شخص کو محوِ حیرت بنا رکھا ہے ۔۔۔۔ وہ تو ہمیشہ شریفانہ برتاؤ کرنے کے عادی تھے"

اس دربان کو اتنی لمبی تقریر کرتے ہوئے میں نے اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھا تھا۔ گرجا کے اندر تماشہ بین حضرات آپس میں سرگوشیاں کرنے میں مصروف تھے۔ اور رسم کے مطابق اپنی مٹھیوں میں چاول لئے دُلہا اور دُلہن پر پھینکنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ باجہ والے اپنے بازوؤں کو اس لئے درست کر رہے تھے کہ نوعروس جوڑے کے باہر آتے ہی دلربا نغموں سے اُن کا خیر مقدم کریں۔

گرجا کے اندر یکایک شور و غل پیدا ہوا۔ اور وہ دونوں محب اور محبوبہ باہر نکلے۔ دربان نے واقعی سچ کہا تھا۔ جارج بالکل بدلا ہوا نظر آتا تھا۔ اس کا کوٹ گرد آلود تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر موت کی سی خوفناک زردی کھنڈی ہوئی تھی۔

ان کے باہر نکلنے پر لوگوں کو یہ توقع تھی کہ اُن کے کان باجوں کی دلکش آواز سے محظوظ ہو نگے ـــــ مگر ان کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب اُنہوں نے دیکھا کہ باجہ والے تاروں کو پرے رکھ کر خرگوشوں کی طرح تیزی سے دور بھاگ گئے۔ دُلہن کے جسم میں یکایک لرزہ سا پیدا ہو گیا اور زردو سائے اس کے چہرے پر رقص کرنے لگے۔ مگر دُلہا اپنی رہبری اُس کو اُس جگہ لے گیا جہاں لوگ مٹھیوں میں چاول بھرے کھڑے تھے۔ مگر شومئی قسمت سے نہ ان پر مٹھیوں کے چاول ہی پھینکے گئے اور نہ شادیانے ہی بجائے گئے۔ باجہ والوں کو لاکھوں منت سماجت سے دوبارہ بُلانے کی کوشش کی گئی۔ مگر بیسود، وہ قریب آنے پر کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے۔

سکوت!..... ایسے کامل سکوت میں، جیسا کہ سرزمین موت پر حکمران رہا کرتا ہے..... جارج اور روزی گاڑی کے اندر داخل ہوئے اور اندر سے کواڑ بند کر لیا۔

اب لوگ آزادی کے ساتھ ان پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ تماشہ بینوں اور مہمانوں میں سے ہر شخص رنج و حسرت کا اظہار کر رہا تھا۔

"جناب! اگر میں اس بدمعاش جارج کی حالت کو قبل دیکھ پاتا" روزی کے بوڑھے باپ نے مجھ سے راستہ میں گاڑی کے اندر کہا۔ جب ہم گرجا سے گھر کو جا رہے تھے۔ "تو خدا کی قسم گرجا کے اندر ہی اس کو اٹھا کر زمین پر چت گرا دیتا۔"

اس کے بعد دریچہ سے اُنہوں نے اپنا سر باہر نکال کر کوچوان سے کہا۔
——"جہاں تک جلد ممکن ہو۔ تیز گامی سے چلو!"
کوچوان نے ارشاد کی تعمیل کی —— ہماری گاڑی دُلہن کی گاڑی کے پاس سے گزرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اور ہم ان سے پیشتر ہی گھر پہنچ گئے۔
چلچلاتی دھوپ میں ہم اُن کے خیر مقدم کو سڑک پر کھڑے تھے ——
آدھ منٹ بھی نہ گزرنے پایا تھا۔ کہ گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سُنائی دی جب گاڑی سامنے آکر رکی۔ تو میں روزی کے باپ کے ساتھ گاڑی کی طرف آگے بڑھا۔
"خدایا خیر! گاڑی خالی پڑی ہے! اور ——!"
میں نے فوراً گاڑی کا دروازہ کھولا۔
جارج کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اور روزی سفید کپڑوں میں لپٹی لپٹائی بدحواس پڑی تھی جسم کا نصف حصہ تو گاڑی کی سطح پر تھا اور نصف گاڑی کی نشست پر!
"حضور! میں گرجا سے سیدھا یہیں آرہا ہوں" کوچوان نے سہم کر روزی کے والد سے کہا۔ "اور میں خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہہ سکتا ہوں کہ کوئی شخص بھی راستہ میں گاڑی سے باہر نہیں نکلا"
ہم روزی کو اُتار کر گھر کے اندر لے گئے۔ میں نے نقاب ہٹا کر اُس کا چہرہ

دیکھا میرے خدا! کیا میں اس کی اس وقت کی صورت کبھی بھول سکتا ہوں! زرد اس درجہ زرد، جیسے اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا، اور اس کے بال! اس کے دراز چمکیلے گیسو! وہ برف جیسے سفید ہو گئے تھے۔

اس وقت جبکہ میں اور روزی کا باپ خوف و دہشت کی حالت میں حیرت زدہ کھڑے تھے، ایک شخص اندر داخل ہوا اور نارنجی رنگ کا ایک لفافہ لاکر دیا۔ لرزاں ہاتھوں سے میں نے بعجلت تمام اُسے چاک کیا۔ لکھا تھا:۔

"جب مسٹر جارج سگناولی میں آج ڈیڑھ بجے گاڑی پر سٹیشن جا رہے تھے۔ تو بد بختی سے اُن کی گاڑی ایک درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی ـــ اور ان کی حرکت قلب اسی جگہ، اسی وقت بند ہو گئی"۔ ...... اور روزی کے ساتھ گرجا میں ساڑھے تین بجے سب لوگوں کے سامنے اُس کی شادی ہوئی۔ نہایت ہی حیرت انگیز بات تھی۔ اس وقت مجھے جارج کا وہ جملہ یاد آرہا تھا۔ جو اُس نے سگناولی جاتے وقت ریل کے اندر مجھ سے کہا تھا: "خواہ میری موت ہی کیوں نہ واقع ہو جائے مگر شادی میں پنجشنبہ کے دن روزی سے ضرور کرونگا!" گرجا سے گھر آتے وقت گاڑی کے اندر کا پریشان کُن واقعہ کس طرح ظہور پذیر ہوا؟ اس کے متعلق نہ کسی کو علم ہے اور نہ کبھی ہو سکیگا! ـــ آہ! روزی! آہ میری پیاری روزی!!!

ایک ہفتہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ لوگ اُسے اُسی گرجا کے اندر جہاں

وہ اپنے محبوب کے ساتھ حُسن وعشق کے گیت گاتی تھی، جارج کے پہلو میں دفن کر آئے۔

اور اس طرح ان کی انوکھی شادی وقوع پذیر ہوئی۔

ماؤماؤ

نوشتہ
ترجینیف

مترجم
غلام عبّاس (مولوی)

(۱)

ماسکو کے ایک غیر آباد خطہ کی ایک خاموش گلی میں وہ اپنے بے شمار نوکروں سمیت رہا کرتی تھی۔ اُس کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ لڑکے پیٹرسبرگ میں مقیم تھے۔ اور لڑکیاں اپنے اپنے سسرال میں تھیں۔ وہ زندگی کے بقایا اداس اور غیر دلچسپ دن تنہائی میں گزار رہی تھی۔

اس کے نوکروں میں اس کا دیو قامت دربان جیرسیم غیر معمولی فطرت کا آدمی تھا۔ وہ پیدائشی گونگا اور بہرا تھا۔ مالکہ اُسے اس کے گاؤں سے اپنے ساتھ لائی تھی۔ جہاں وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں تنہا رہتا اور کھیتوں میں کام کر کے گزر بسر کیا کرتا تھا۔ اپنے کام میں تجربہ کار ہونے کی

وجہ سے وہ گاؤں بھر میں عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ شہر آنے پر وہ اپنی مالک کے لئے ایک قابل خدمتگار ثابت ہوا۔

قوی الجثہ ہونے کے باعث وہ ہمیشہ چار آدمیوں کا کام اکیلا کر لیا کرتا تھا اس کی دائمی خاموشی سے اس کے ماحول پر انتہائی سنجیدگی مسلط رہتی تھی۔ لیکن جب سے وہ ماسکو لایا گیا تھا۔ اُسے شہریوں کا سا لباس پہنکر صرف دربانی کے فرائض انجام دینے ہوتے تھے۔

اوّلاً وہ اپنی زندگی کے اس نئے دور سے مطمئن نہ تھا۔ بچپن سے وہ گاؤں کے اور لوگوں کی طرح کھیتوں میں کام کرنے کا عادی تھا۔ اپنے ہم پیشہ وہم مذاق لوگوں میں پُر مسرت زندگی بسر کرنے کی وجہ سے وہ آئے دن زرخیز زمین میں بڑھتے ہوئے درخت کی طرح قوی سے قوی تر ہوتا جاتا تھا۔ لیکن جب سے وہ شہر میں لایا گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اُسے کیا ہو گیا ہے۔ اور وہ کس لئے پریشان اور کھویا سا رہنے لگا ہے۔

گاؤں کی مصروفیات کی مناسبت سے اس کے تازہ فرائض اسے بچوں کا کھیل معلوم ہوتے تھے۔ اکثر وہ اپنے کاموں کو گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم کر لیتا۔ اس کے بعد صحن کے دروازے پر کھڑا ہو کر گلی سے گزرنے والوں کو ٹکٹکی لگائے دیکھا کرتا۔ گویا وہ چاہتا تھا کہ کوئی تو اُسے اس انتقال مکانی کے راز سے آگاہ کردے۔ جب وہ بیکاری کے اس شغل سے تنگ آجاتا تو باغ کے کسی کونے

میں جاکر مُنہ کے بل لیٹ جاتا۔ اور ایک مقید صحرائی جانور کی طرح گھنٹوں اسی حالت میں پڑا رہتا۔

کسی ایک حالت میں رہنے سے لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ہوتے ہوتے وہ اپنے نئے ماحول سے مانوس ہو گیا۔ اس کی ذمہ داریاں برائے نام تھیں۔ اس کی جملہ مصروفیات صرف یہ تھیں۔ کہ وہ صحن کو صاف رکھے، دن میں دو بار کنوئیں سے پانی بھر لائے۔ لکڑیاں چیرے، اور مکان کی نگرانی کرے۔ یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں کہ اپنے فرائض کو انجام دینے میں اُس نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ صحن میں کوڑا کرکٹ تو کیا کبھی گھاس پھوس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آیا۔ ایک رات جب اُس نے دو چوروں کو مکان میں گھستے ہوئے پکڑ لیا تو اس صفائی سے اُن کا سر آپس میں ٹکرا دیا کہ غریب اس قابل ہی نہ رہے کہ انہیں پولیس کے حوالے کیا جائے۔

گھر کے اور نوکروں کے ساتھ جبر تنظیم کا تعلق صرف اس حد تک دوستانہ نہ تھا کہ وہ خواہ مخواہ اُس سے خائف رہا کرتے تھے۔ ورنہ اُس نے اپنے آپ کو کبھی ان پر فوقیت نہ دی۔ وہ اس کے ساتھ اشاروں میں باتیں کرتے اور یہ انہیں سمجھ کر حرف بحرف ان پر عمل کرتا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے حقوق اور خودداری کی حفاظت کرنا جانتا تھا۔ مجال نہ تھی کہ کوئی دوسرا ملازم کھانے کی میز پر اس کی جگہ بیٹھ جاتا۔

باورچی خانہ کے قریب ایک چھوٹا سا کمرہ جرئیلم کو علیحدہ دے دیا گیا تھا۔
اس نے اُسے اپنے مذاق کے مطابق ایک چارپائی۔ ایک چھوٹی سی میز اور
تین ٹانگ کی ایک کرسی سے آراستہ کر رکھا تھا۔ یہ تمام فرنیچر اس نے خود
تیار کیا تھا جو اسی کی طرح مضبوط تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے کمرے کو قفل لگا کر کنجی اپنے
پاس رکھتا تھا۔

(۲)

جرئیلم کو ماسکو آئے ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ اُسے ایک عجیب
غریب واقعہ پیش آیا۔ ایک روز شام کو جب وہ دریائے ماسکو کے کنارے
ٹہل رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ کوئی چیز کیچڑ میں تڑپ رہی ہے۔ جھک کر
دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ایک چھوٹی سی کتیا کنارے پر آنے کی کوشش کر رہی ہے
لیکن موجیں بار بار اُسے واپس گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ اس کا ننھا سا گیلا جسم بُری
طرح کانپ رہا تھا۔ جرئیلم نے ہاتھ بڑھا کر اس لجلجی سی چیز کو اُٹھا لیا۔ اور کوٹ میں
چھپا کر اُلٹے پاؤں واپس لوٹا۔

اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اُس نے اُسے بستر پر لٹا کر کوٹ اُڑھا دیا۔ اور
خود اصطبل سے گھاس اور باورچی خانہ سے پیالی بھر دودھ لانے چلا گیا۔ واپس
لوٹنے پر اُس نے نہایت احتیاط سے اپنا کوٹ تہ کر کے اُس پر گھاس بچھا دی
اور بستر پر دودھ کی پیالی رکھ دی۔

لیکن کتیا جو بمشکل تین ہفتوں کی ہو گی۔ اور جس کی آنکھیں کھلے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ پیالی سے دودھ نہ پی سکی۔ غریب کھڑی مُنہ بسورتی اور سر سے پاؤں تک کانپتی رہی۔ چنانچہ جر تنظیم نے آہستہ سے دو انگلیوں میں پکڑ کر اُٹھایا اور اُس کا مُنہ دودھ میں ڈبو دیا۔ پھر کیا تھا اس نے کانپتے جھجکتے اور جھرجھری بھرتے ہوئے دودھ پینا شروع کر دیا۔ جر تنظیم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ وہ بڑی دیر تک اُسے سہلاتا رہا۔ اور بہت کوشش کے بعد اُسے سُلا کر خود بھی اُس کے پاس سو گیا۔

کسی ماں نے اپنے بچے کی اس قدر حفاظت نہ کی ہو گی جس احتیاط سے جر تنظیم نے اس کتیا کو پالا۔ ابتدا میں وہ بہت کمزور تھی۔ اور اس کی طبیعت میں چڑچڑاپن غالب تھا۔ لیکن جر تنظیم کی مادرانہ شفقت سے بہت جلد اس کی حالت تبدیل ہو گئی۔ اور آٹھ ماہ کے عرصے میں وہ نہایت خوبصورت، ملائم بال، لمبے کان اور دلکش آنکھوں والی پیاری پیاری کُتیا بن گئی۔

وہ اپنے مالک پر سو جان سے فدا تھی۔ جہاں جہاں وہ جاتا۔ اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتی۔ وہ اُسے "ماؤ ماؤ" کہا کرتا تھا۔ نام کی قسم سے صرف یہی ایک آواز تھی جو جر تنظیم اپنی گونگی زبان سے پیدا کر سکتا تھا۔ گھر کا ہر چھوٹا بڑا اُسے اسی نام سے پکارنے لگا۔ اپنے مالک سے محبت کے ساتھ ساتھ اُس نے اور نوکروں سے بھی اُنس پیدا کر لیا۔ جہاں تک جر تنظیم کا تعلق تھا۔ وہ اُسے دیوانگی کی حد تک پیار

کرتا تھا۔ اگر دوسرا کوئی شخص ماؤ ماؤ کو چمکارتا یا سہلاتا تو اُسے اس سے سخت تکلیف ہوتی۔ ایسا کس جذبہ کے ماتحت ہوتا تھا، حسد یا کتیا کی جانب سے اس کے خوف کی وجہ سے، کوئی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

ماؤ ماؤ کا روزانہ یہ معمول ہوگیا کہ ہر صبح اپنے مالک کو اُس کا کمبل کھینچ کھینچکر جگا دیتی۔ کوئیں پر اُس کا ساتھ دیتی، جب وہ صحن صاف کرنے میں مشغول ہوتا تو اُس کے استعمال کی چیزوں کی رکھوالی کرتی اور اُس کے کمرے کی سخت حفاظت کرتی۔ جرنظم نے اپنے کمرے کے دروازہ کا کچھ حصہ کاٹ کر اُس کے آنے جانے کے لئے راستہ بنا دیا تھا۔ وہ جب چاہتی اپنے پُرسکون کمرے میں آکر آرام کرتی۔ بلکہ اپنے مالکانہ حقوق کے اظہار کے لئے نہایت اطمینان سے جرنظم کے بستر پر سو رہتی۔

حالانکہ ماؤ ماؤ تمام رات گھر کی رکھوالی کے لئے جاگتی رہتی تھی لیکن اور پالتو کتوں کی طرح کبھی اُس نے خواہ مخواہ بھونکنے کی کوشش نہیں کی۔ اُس کی ترنم آگیں عف عف کبھی بلا وجہ سُنائی نہیں دی۔ یوں تو گھر میں ایک کتا پہلے ہی موجود تھا۔ لیکن اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ اور دن رات صحن کے دروازہ پر بندر رہتا تھا۔

ماؤ ماؤ کبھی گھر کی مالکہ کے کمروں میں نہیں گئی۔ جب کبھی جرنظم اس طرف جاتا تو وہ اطمینان سے دروازہ پر بیٹھی کان کھڑے کئے اس کا انتظار کرتی رہتی۔

ایک سال اور اسی طرح گزر گیا۔ جر آنطیم اپنے فرائض کو بدستور انجام دیتا رہا۔ وہ اپنی قسمت پر قانع تھا۔ زندگی کے دن ایک ہی نہج پر گزر رہے تھے کہ ایک روز ایک عجیب ہی واقعہ پیش آیا۔

(۳)

گرمیوں میں ایک دن گھر کی مالکہ اپنی خادماؤں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ اُس دن وہ کچھ خوش خوش سی نظر آتی تھی۔ مُسکراتی ہوئی وہ کھڑکی کے قریب گئی جو پھولوں کے ایک چھوٹے سے باغ میں کھلتی تھی۔ کھڑکی کے عین مقابل میں گلاب کی جھاڑی کے نیچے ماؤ ماؤ ایک ہڈی سے کھیل رہی تھی۔

"ہیں! یہ کتّا کیسے باغ میں گھس آیا؟ کس کا کتّا ہے وہ؟" اُس نے پلٹ کر دریافت کیا۔

"میں نہیں جانتی بیگم، شاید گونگے کی کتیا ہے،" ایک خادمہ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"کیسی خوبصورت کتیا ہے" مالکہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "کسی کو بھیج کر اسے پکڑواؤ۔ کیا گونگے نے اسے بہت دنوں سے پال رکھا ہے؟ مجھے کیوں نہ بتلایا؟ میرے پاس لاؤ اُسے۔ جلدی کرو۔

ملازمہ کمرے سے نکلتے ہوئے چلّائی "اسطیپان! اسطیپان مادام ماؤ ماؤ کو

دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ باغ میں ہے۔ جلدی پکڑ لاؤ اُسے!"

"تو اُسے ماؤ ماؤ کہتے ہیں" مالکہ نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تو بڑا اچھا نام ہے"۔

خادماؤں نے مادام کے اس خیال کی تائید کی۔

ملازم دوڑا ہوا باغ میں گیا۔ لیکن ماؤ ماؤ عین موقع پر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر جرئیلم کے پاس پناہ لینے کے لئے بھاگ گئی۔ جو اس وقت باورچی خانہ میں کام کر رہا تھا۔ اسطیپان نے یہاں بھی اس کا تعاقب کیا اور چاہتا تھا کہ لپک کر پکڑ لے کہ ماؤ ماؤ نے ایک جست لگائی۔ اور پھر چھوٹ گئی۔ جرئیلم بیٹھا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

ملازم نے بمشکل تمام اشاروں سے سمجھایا کہ مالکہ نے کتیا طلب کی ہے جرئیلم کو مالکہ کی اس فرمائش پر تعجب ضرور ہوا لیکن اس نے ماؤ ماؤ کو پکڑ کر اس کے حوالے کر دیا۔ اسطیپان فوراً مالکہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

ماؤ ماؤ جس نے اسقدر ٹھاٹھ کا ہے کو کبھی دیکھا تھا۔ خوف سے کانپنے لگی۔ اسطیپان نے اُسے مادام کے سامنے ڈال دیا۔ بیچاری سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپتی ہوئی سمٹی سمٹائی دیوار کے پاس دبک رہی۔

مالکہ نے اُسے چمکارا، خادماؤں نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن ماؤ ماؤ کسی کی سننے کے لئے آمادہ نہ تھی۔

"کیسی شریر کتیا ہے" اپنی مالکہ سے اسقدر ڈرتی ہے!"

"ابھی وہ آپ سے مانوس نہیں ہوئی ہے"
اس عرصہ میں اسطبلیان ایک طشت میں دودھ لے آیا۔ اور اُسے ماؤ ماؤ
کے رکھ دیا۔ مگر اس نے توجہ نہ کی۔ اور ڈرتی کانپتی ادھر اُدھر دیکھتی رہی۔
"کیسی شوخ ہے" مالکہ قریب جاکر اُسے تھپتھپانا چاہتی تھی کہ ماؤ ماؤ
دانت نکال کر غرّائی۔ مالکہ نے سہم کر فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔
ایک لمحہ خاموشی چھائی رہی۔ مالکہ بڑبڑاتی ہوئی دور ہٹ گئی۔ کتیا نے اُسے
ڈرا دیا تھا۔
یہ رنگ دیکھ کر خادمائیں دوڑیں "اس نے آپ کو کاٹ تو نہیں لیا؟"
ماؤ ماؤ نے آج تک کبھی کسی کو نہیں کاٹا تھا۔
"لے جاؤ اسے یہاں سے" بوڑھی مالکہ نے لہجہ بدل کر کہا "شریر
بدمزاج کتیا"
وہ منہ پھیر کر اپنے کمرے کی طرف چلی۔ خادماؤں نے پرمعنی نظروں سے
ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور اس کے پیچھے جانا ہی چاہتی تھیں۔ کہ وہ رُکی
اور پلٹ کر اُن کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت سرد مہری سے کہا "میرا خیال
ہے۔ میں نے تمہیں نہیں بلایا" اور خلوت خانہ میں چلی گئی۔
نہایت بد دلی سے کتیا اسطبلیان کے حوالے کر دی گئی۔ اس نے اُسے
اُٹھا کر دروازے سے نکل سیدھے جرنیل کے قدموں میں لا ڈالا۔ مکان

پر ایک مکمل خاموشی چھا گئی۔ مالکہ تنہا اپنے کمرے میں طوفانی بادلوں کی طرح اُداس بیٹھی تھی۔

دوسری صبح اُس نے اپنے خانساماں گوریلا کو معمول کے خلاف ایک گھنٹہ پہلے طلب کیا۔

"تم بتلا سکتے ہو" اُس نے خانساماں کے آتے ہی کہنا شروع کیا۔ "کہ پچھلی رات صحن میں کونسا کتّا بھونکتا رہا؟ اُس نے میری نیند حرام کر دی!"

"کتّا، مادام کتّا؟ گوریلا نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا "شاید وہ بہرے کی کتیا تھی۔"

"میں یہ سب کچھ جاننا نہیں چاہتی۔ میں صرف اس قدر جانتی ہوں۔ کہ اُس نے مجھے رات بھر سونے نہیں دیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جگہ اتنے بہت سے کتّے کیوں جمع ہو گئے ہیں۔ کیا گھر کا کتّا کافی نہیں ہے؟

"جی ہاں مادام، والتاک تو ہے ہی۔"

"ہے تو پھر ایک اور کتّے کی کیا ضرورت ہے؟ اُس سے سوائے تکلیف کے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے علاوہ آخر اس بہرے نے کتیا کس لئے پال رکھی ہے اُسے میرے گھر میں کتیا رکھنے کی اجازت کس نے دی۔ کل جب میں نے اُسے باغ میں دیکھا تھا۔ وہ ایک گندی سی ہڈی چچوڑ رہی تھی . . . ."

وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی۔

"آج ہی اس کتیا کو گھر سے نکال باہر کرو۔ تم نے سُنا؟"

"بہت بہتر مادام"

"آج ہی۔ سمجھتے ہو یا نہیں؟ ...... اچھا اب تم جا سکتے ہو۔"

(۴)

گوریلا وہاں سے دالان میں گیا۔ جہاں اسطیپان ایک بنچ پر پڑا سو رہا تھا۔ اس کے پاؤں کوٹ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ جسے اُس نے کمبل کے بجائے اُوڑھ رکھا تھا۔ خانساماں نے اُسے جگا کر اُس کے کان میں کچھ کہا۔ جس کا اُس نے انگڑائی لیتے ہوئے ایک قہقہہ سے جواب دیا۔ اس کے بعد گوریلا رفوچکر ہو گیا۔ اسطیپان بھی اُٹھا اور جوتے اور کوٹ سنبھال کر صحن میں چلا گیا۔ پانچ منٹ کے بعد جرنظیم پشت پر لکڑیوں کا ایک بڑا سا پشتارہ اُٹھائے کبھی جُدا نہ ہونے والی ماؤ ماؤ کے ساتھ آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اپنا بوجھ لیکر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اور ماؤ ماؤ حسب معمول دروازہ پر اُس کا انتظار کرنے لگی۔ اسطیپان موقع پاتے ہی اس پر جھپٹا۔ اسے اُٹھا کر فوراً گلی میں آیا۔ اور سب سے پہلی سواری ٹھیرا کر بازار کا رُخ کیا۔ یہاں پہنچکر اُس نے ماؤ ماؤ کو ایک خریدار کے ہاتھ نصف روبل میں اس شرط پر فروخت کر دیا۔ کہ وہ اسے کم از کم ایک ہفتہ تک باندھے رکھیگا۔ واپسی پر وہ باغ کی دیوار پھاند کر مکان کے احاطہ میں داخل ہؤا۔ تاکہ صحن کے دروازہ پر جرنظیم کا سامنا نہ ہو جائے۔

لیکن ایسی احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ جرنیلم صحن میں موجود ہی نہ تھا جب وہ کمرے سے باہر نکلا۔ تو ماؤ ماؤ وہاں سے غائب تھی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ کہ وہ اس کا انتظار کئے بغیر کہیں چلی گئی ہو۔ اُسے ہر جگہ، گھر کے تمام کمرے، گودام، اصطبل، حتےٰ کہ سڑک پر بھی تلاش کیا۔ تمام نوکروں سے زمین سے چھ انچ اوپر ہاتھ رکھ کر اشاروں میں ماؤ ماؤ کے متعلق دریافت کیا۔ جو ناواقف تھے اُنھوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور جو جانتے تھے۔ اُنھوں نے ہنس کر ٹال دیا۔ خانساماں اسے اپنی جانب آتا دیکھ کر کوچبان کو بلانے کے بہانہ سے دوسری جانب چلا گیا۔ بالآخر گھر میں ماؤ ماؤ کو نہ پاکر وہ اس کی تلاش میں باہر نکل گیا۔

شام ہوتے ہوتے وہ واپس لوٹا۔ اُس کے مضطرب اور نڈھال چہرے، لڑکھڑاتے ہوئے قدموں اور گرد آلود کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ شہر ماسکو کے کم از کم آدھے حصّے کی آوارہ گردی کے بعد واپس لوٹا ہے۔ اس نے صحن میں یکجا شدہ نوکروں کے مجمع پر ایک جھلجلتی ہوئی نظر ڈالی اور ایک بار پھر ماؤ ماؤ کو پکارا لیکن ماؤ ماؤ نے کہیں سے جواب نہ دیا۔ اور وہ چلا گیا۔ تمام ملازم سکتہ کے عالم میں اُسے جاتا ہوا دیکھا کئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بہرہ تمام رات روتا رہا۔

دوسری صبح کو جرنیلم کام کے لئے اپنے کمرے سے نیچے نہیں اُترا۔ کوچبان

کو کوئیں سے پانی لانے کے لئے جانا پڑا۔ مادام کے دریافت کرنے پر خانساماں نے فخر کے ساتھ جواب دیا کہ مالکہ کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کی گئی دوسرے دن حسب معمول جرنظیم نیچے اُترا۔ لیکن ملازموں سے اشاروں سے سلام یا کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔ اُس کا چہرہ جس پہ زندگی کے آثار کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ پتھر کا بن گیا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لئے باہر گیا۔ اور واپسی پر اصطبل میں خشک گھاس کے انبار پر چڑھ گیا۔ اسے اب بھی ماؤماؤ کی تلاش تھی۔

(۵)

چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ جرنظیم بے چینی سے گھاس کے انبار پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ کہ اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کے کوٹ کا دامن پکڑے گھسیٹ رہا ہے۔ وہ سر سے پیر تک کانپ گیا۔ لیکن سر اُٹھا کر دیکھنے کی پروا نہ کی تھوڑی دیر بعد پھر کسی نے اُس کے دامن کو ذرا زور سے کھینچا۔ اس مرتبہ وہ جھنجھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کے گرد ماؤماؤ چوکڑیاں بھر رہی تھی۔ اس کی گردن میں رسّی کا ایک ٹکڑا بندھا تھا۔ جرنظیم کے منہ سے مسرت کی ہلکی سی چیخ نکل گئی اس نے بے اختیار ماؤماؤ کو اُٹھا کر سینے سے لگا لیا اور ماؤماؤ نے بے کوفت اس کی ناک، داڑھی اور مونچھوں کو چاٹ کر رکھ دیا۔

جرنظیم نے کچھ دیر واقعات پر غور کیا۔ پھر اپنے ارد گرد ایک نظر ڈالی اور اُٹھ کر

چھپتا چھپاتا اپنے کمرے تک پہنچا۔ وہ پہلے ہی واقعات کی تہ تک پہنچ چکا اور سمجھ گیا تھا۔ کہ ماؤ ماؤ خود اُسے چھوڑ کر نہیں گئی ہے۔ بلکہ یہ سب مالکہ کے حکم سے ہوا ہے۔ کیونکہ خادموں نے ماؤ ماؤ سے مالکہ کی خفگی کی وجہ اسے پہلے ہی سمجھادی تھی۔ اُس نے تہیّہ کر لیا کہ اب وہ ہر امکانی احتیاط برتے گا۔ تاکہ پھر ایسی مصیبت نہ آنے پائے۔

ماؤ ماؤ کو کچھ کھلا پلا کر سلا دینے کے بعد وہ اُس کے تحفظ کے لئے نظام العمل تیار کرنے بیٹھا۔ اُس نے طے کر لیا کہ وہ دن بھر اُسے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھیگا۔ اور صرف راتوں کو مکان سے باہر لے جائے گا۔ دن میں فرصت ملنے پر وہ اُسے دیکھ جایا کریگا۔ یہ سوچ کر اُس نے دروازے کی درز کو اپنے پُرانے کوٹ سے بند کر دیا۔

دوسرے دن، تاکہ اور ملازموں کو ماؤ ماؤ کی واپسی کا شبہ نہ ہو جرنیلم پچھلے دنوں کی طرح صورت بنائے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اُس کے گمان میں بھی یہ بات نہ آئی کہ ماؤ ماؤ بھونک بھونک کر لوگوں کو اپنی واپسی سے مطلع کر دیگی۔ یا کر سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ گھر کے تمام ملازم یہ جانتے تھے۔ کہ وہ آگئی ہے لیکن کچھ رحم اور کچھ خوف کی وجہ سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر خاموش تھا۔ گوریلا الگ اپنی خیر منا رہا تھا۔ کہ خدا کرے مالکہ کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔

(۶)

اُس روز جرنیلم اسقدر جانفشانی سے اپنے کاموں میں مشغول رہا کہ مادام کو بھی اس کی تعریف کرنی پڑی۔ کاموں کے درمیان دو بار اُسے ماؤ ماؤ کو دیکھ آنے کا موقع ملا۔ رات کو پہلے تو وہ دو بجے تک سوتا رہا۔ اس کے بعد اُٹھ کر کھلی ہوا میں سیر کی خاطر لے گیا۔ ابھی وہ باغ کی چاردیواری سے باہر نکلنے نہ پائے تھے کہ صدر دروازہ پر کچھ آہٹ سُنائی دی۔ ماؤ ماؤ کان کھڑے کر کے غراتی اور آگے بڑھی۔ تھوڑی دور جا کر وہ زور زور سے بھونکنے لگی۔ کیونکہ ایک شرابی نشہ میں چور زیر دیوار پڑا سو رہا تھا۔

بدقسمتی دیکھئے کہ عین اُسی وقت بمشکل تمام مالکہ کی آنکھ لگی تھی۔ ماؤ ماؤ کی عف عف نے اُسے پھر جگا دیا۔ وہ بے قرار ہو کر اُٹھی اور چیخوں سے سارے گھر کو سر پر اُٹھا لیا۔ خادمائیں اس غیر متوقع عتاب سے ڈر کر کانپتی ہوئی ہوگئیں۔

"اوہ۔ مجھے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس نے دونوں بازو پھیلا کر انتہائی اضطراب و بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔" کتیا! پھر وہی۔ اُف! کم نصیب ماؤ ماؤ برابر بھونکتی رہی اور غریب جرنیلم اُسے خاموش کرنے کی بے سود کوشش کرتا رہا۔

"وہ دیکھو! وہ پھر آگئی"۔ مالکہ نے کھڑکی سے باہر باغ پر نظریں ڈالکر کہا۔

ایک خادمہ دوڑی ہوئی گول کمرے میں گئی اور اسٹیپان کو جگایا۔ اسٹیپان نے لپک کر گوریلا کو ہشیار کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر جاگ اُٹھا۔

جرنیلٹم نے جو مڑ کر دیکھا تو تمام کمروں میں روشنی پائی۔ فوراً ماؤ ماؤ کو اُٹھا بغل میں داب اپنے کمرے کی طرف لپکا۔ اور یہاں پہنچکر بطور حفظ ماتقدم دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ زیادہ دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ گھر کے تمام ملازم اس کے دروازہ پر جمع ہو گئے۔ لیکن اسے بند پایا۔ گوریلا نے بڑھ کر چند ملازموں کو تاکید کی کہ وہ صبح تک یہیں رہیں اور کمرے کی سخت نگرانی کریں۔

اس کے بعد اُس نے ایک خادمہ سے کہا کہ مادام سے کہو کہ اس ہڑ بونگ میں ماؤ ماؤ کہیں بھاگ گئی ہے۔ اسے صبح ضرور ڈھونڈ وایا جائے گا۔ اب وہ اطمینان سے سو رہیں۔

صبح کو ایک اچھے خاصے مجمع نے جرنیلٹم کے کمرے پر آخری دھاوا بول دیا۔ تمام زینہ نوکروں سے بھر گیا۔ گوریلا نے دروازہ پر دستک دی۔

"دروازہ کھولو" اُس نے چیخ کر کہا۔

کمرے سے سوائے کتیا کی ہلکی سی عف عف کے اور کوئی آواز سُنائی نہ دی

"میں کہتا ہوں دروازہ کھولو" گوریلا دوبارہ چلّایا۔

"لیکن وہ تو بہرا ہے نا بھائی" اسٹیپان نے پیچھے سے کہا "وہ تمہیں سُن کب سکتا ہے!"

تمام لوگ ہنس پڑے۔

"پھر کیا کریں" گوریلا نے چڑ کر کہا۔

"دروازہ میں یہ جو سوراخ ہے۔ اس میں سے چھڑی ڈالو۔ اسے متوجہ کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے"

"لیکن اس نے اسے اپنے کوٹ یا کسی چیز سے بند کر رکھا ہے" گوریلا نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کوٹ چھڑی سے ہٹایا جا سکتا ہے"

کتیا کے بھونکنے کی دبی دبی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"ہاں ہاں تو پھر تکلف کس بات کا ہے"

سب لوگ ہنس پڑے۔ مگر گوریلا اس تجویز پر آمادہ نہ ہوا۔

"نہیں نہیں اگر تم چاہتے ہو۔ تو تم ہی اس کوٹ کو ہٹاؤ"

"اچھا تو لاؤ مجھے دو!"

اسٹیپان نے چھڑی لے کر سوراخ کے منہ پر سے کوٹ ہٹا دیا۔ اور جھک کر اس میں جھینجنا شروع کیا۔ ابھی وہ اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ دروازہ اسقدر غیر متوقع طور پر کھل گیا۔ کہ سب لوگ سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ اور زینوں سے نیچے صحن میں آ رہے۔

جرنظیم چوکھٹ پر نمودار ہوا۔ اپنی سرخ قمیص میں وہ اچھا خاصا لال دیو معلوم

معلوم ہوتا تھا۔ اس نے زینوں کے نیچے نسبتاً چھوٹے چھوٹے لوگوں پر نظریں گاڑ دیں اور دیو ہیکل مجسّمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ گوریلا ہمت کر کے ایک قدم آگے بڑھا اور کہنے لگا "دیکھو جرنیلم اب ضد نہ کرو" اس نے اشاروں سے سمجھانے کی کوشش کی "ملکہ تمہارا اکتیار رکھنا پسند نہیں کرتیں"۔

جرنیلم نے گوریلا کو مخاطب کیا، ماؤ ماؤ کی طرف اشارہ کر کے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا۔ اور گلا گھوٹنے کا نقشہ پیش کر کے اس پر استفہامیہ نظریں گاڑ دیں "بالکل ٹھیک، اب تمہاری سمجھ میں آیا" گوریلا نے تائیداً اثبات میں سر ہلایا۔

جرنیلم نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ پھر دفعتاً شانوں کو جنبش دی۔ اور ماؤ ماؤ کی طرف اشارہ کر کے ایک بار پھر پھانسی کا نقشہ پیش کیا۔ اور سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر اس کی جان ہی لینا مقصود ہے۔ تو یہ کام بھی مجھ پر چھوڑ دیا جائے۔

"ہاں، مگر اس کا یقین کیونکر ہو کہ تم ایسا کرو گے" گوریلا نے اعتراض کیا۔

"جرنیلم نے حقارت آمیز تبسم کے ساتھ سینہ پر ہاتھ مارا اور مڑ کر کمرے کا دروازہ زور سے بھیڑ لیا۔

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ ملازم حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"اس کے کیا معنی" گوریلا جھنجھلا کر بولا "اس نے پھر دروازہ بند کرلیا"
"اسے اپنے حال پر چھوڑ دو" گوریلا اسطیپان نے کہا "وہ اپنے وعدے
پر ضرور عمل کرے گا۔ اس بارے میں وہ ہماری تمہاری طرح نہیں ہے"
"ہاں ہاں وہ قابلِ اعتماد ہے" تمام نوکروں نے تائید کی۔
"بہت اچھا، یوں ہی سہی، لیکن پھر بھی احتیاط لازم ہے" گوریلا نے مڑ
کر باغبان کو مخاطب کیا "دیکھو ایروشکا تم اس کی نگرانی کرو، اگر وہ دھوکہ دینے
کی کوشش کرے تو مجھے اطلاع دو"
ایروشکا زینوں کے قریب بیٹھ گیا۔ نوکروں کا مجمع منتشر ہوگیا۔ گوریلا نے
مادام کو کہلا بھیجا کہ احکام کے مطابق ماؤ ماؤ کو برطرف کر دیا گیا۔ مالکہ نے اس خبر
کو بے توجہی سے سنا۔ کپڑوں میں عطر لگایا، چائے پی۔ اور خوابگاہ میں چلی گئی۔
گویا کچھ بات ہی نہیں ہوئی۔

(۷)

گھنٹہ بھر بعد جرنظم کمرے سے باہر نکلا اس نے چھٹی کے کپڑے پہن رکھے
تھے۔ ماؤ ماؤ پتلی سی رسی سے بندھی ہوئی اس کے ساتھ تھی، ایروشکا نے ہٹ
کر اسے رستہ دیا۔ اور وہ اپنے اردگرد دیکھے بغیر صحن سے گزر کر سڑک پر
ہولیا۔ گوریلا کے کہنے پر ایروشکا اس کے تعاقب میں گیا۔ جرنظم کچھ دور چل کر ایک
ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ اور ایروشکا اسکی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

ہوٹل کے ملازم اُس سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور اُس کے اشاروں کو سمجھتے تھے۔ وہ گوشت اور شوربے کی فرمائش کر کے میز پر کہنیاں ٹیک کر بیٹھ گیا۔ ماؤ ماؤ اطمینان سے کرسی کے قریب کھڑی ذہین نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی۔ اس کے لمبے لمبے ملائم بال چمک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی انہیں صاف کر کے بُرش کیا گیا ہے۔

گوشت پیش کیا گیا۔ جرنیظم نے روٹی توڑ کر شوربے میں ڈالی۔ بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنائے اور طشت اُٹھا کر فرش پر رکھ دیا۔ ماؤ ماؤ نے اپنے دلچسپ انداز میں طشت کو گلمچھوں سے چھوئے بغیر جلدی جلدی کھانا شروع کر دیا۔ جرنیظم ٹکٹکی لگائے اُسے دیکھتا رہا۔ یکبارگی دو موٹے موٹے آنسو اُس کی پلکوں سے ٹپک کر رخساروں پر بہہ گئے۔ اُس نے اپنے چہرے کو ہاتھوں میں چھپا لیا۔

ماؤ ماؤ نے نصف طشت خالی کیا اور دور ہٹ کر پنجے چاٹنے لگی جرنیظم اُٹھا۔ قیمت ادا کی۔ اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ اُسے آتا دیکھ کر ایرو شکا آڑ میں ہو گیا۔ جب وہ کچھ دور چلا گیا تو پھر اُس کا تعاقب شروع کیا۔

جرنیظم ماؤ ماؤ کی رسّی تھامے آہستہ آہستہ چلا۔ سڑک کے اختتام پر رُک کر اُس نے مشکوک نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اور مُڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ندی کی جانب چل پڑا۔ راستہ میں اُس نے ایک زیر تعمیر مکان کے احاطے

سے دو اینٹیں اُٹھالیں۔

ندی پر پہونچکر وہ ساحل کی دوسری جانب گیا۔ جہاں دو کشتیاں ساحل سے بندھی تھیں۔ وہ کود کر ایک میں داخل ہو گیا اور زنجیر کھول دی۔ قریب کی جھونپڑی سے ایک لنگڑا ملّاح نکل کر شور غل مچانے لگا۔ لیکن جر ٹیظم نے شنوائی نہ کی اور زور زور سے چپّو چلاتا ہوا بہاؤ کی مخالف سمت پر چل پڑا۔ ملّاح سر کھجلاتا ہوا اُسے ساحل سے دور ہوتے دیکھا کیا۔ آخر مایوس ہو کر جھونپڑی میں واپس آگیا۔

جر ٹیظم برابر چپّو چلاتا رہا۔ وہ ماسکو سے کافی دور ہو چکا تھا۔ دونوں کناروں پر کھیت اور جھونپڑیاں گزرتی جا رہی تھیں۔ بالآخر اُس نے چپّو روک لئے اور ماؤ ماؤ پر جھکا جو ڈگمگاتی ہوئی کشتی پر بے حس و حرکت بیٹھی تھی یکایک وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ جیسے کوئی شدید غصّے کی حالت میں ہو۔ ایک رسی نکال کر دونوں اینٹوں سے باندھی اور درمیان میں پھندا بنا کر ماؤ ماؤ کی گردن میں ڈال دیا۔ پھر ہاتھوں میں اُٹھا کر آخری بار اُس پر نظر ڈالی۔ ماؤ ماؤ اطمینان سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے اس کی جانب سے منہ پھیر لیا۔ اور ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی چھوڑ دی۔

بہرا جر ٹیظم کچھ نہ سُن سکا۔ نہ تو اُسے ماؤ ماؤ کی قیں قیں سُنائی دی۔ نہ وزنی اینٹوں کے پانی میں گرنے کی آواز۔ اُس کے لئے سب سے زیادہ پُرشور دن ایسا

ہی بے آواز تھا جیسی ہمارے لئے خاموش سے خاموش رات ہو۔ جب
اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ تو موجیں بدستور سابق ایک دوسرے کا تعاقب کرتی ہوئی
کشتی سے ٹکرا رہی تھیں۔ دور بہت دور اس کی پشت پر وسیع لہریں ساحل کو
چھونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

یہاں جیسے ہی جیرلیٹم' ایروشکا کی آنکھوں سے اوجھل ہُوا۔ وہ دوڑا ہُوا
گھر پہنچا اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔

"اطمینان رکھو اُس نے حقیقتاً ناؤ کو ندی میں غرق کر دیا" اسطیپان
نے کہا۔ "وہ وعدہ کا کس قدر پابند ہے"

اُس روز جیرلیٹم کو کسی نے نہ دیکھا۔ وہ کھانے پر حاضر نہیں ہُوا۔ شام کو بھی
جب تمام ملازم کھانے کی میز پر جمع تھے۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"عجیب آدمی ہے وہ بھی" موٹی دھوبن نے شکایت کے لہجے میں کہا "ایک
کتیا پر۔ وہ اس قدر جان چھڑکتا ہے . . . ."

"وہ آیا تو تھا یہاں . . ." اسطیپان بولا۔

"وہ کب ؟ کیسے ؟ . . . . . ."

"تقریباً دو گھنٹہ بیشتر! مجھے صدر دروازہ پر ملا۔ وہ باہر جا رہا تھا۔ میں
اُس سے کتیا کے متعلق پوچھنا ہی چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت نامناسب سمجھ
کر خاموش ہو رہا۔ اس کے علاوہ وہ غصّہ کی حالت میں تھا کیونکہ اُس نے مجھے

اپنے سامنے سے دھکیل کر پرے کر دیا۔ شاید وہ اس موقع پر کسی سے گفتگو نہ کرتا۔

اُسی وقت ایک دیو قامت شخص اسباب کا بڑا سا پشتارہ شانوں پر رکھے ہاتھ میں چھڑی لئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ماسکو کی سڑکوں پر سے گزر رہا تھا۔ وہ جرنیلم تھا اور گاؤں میں اپنی سابق قیام گاہ کو جا رہا تھا۔ دائیں بائیں دیکھے بغیر وہ بڑھا چلا جا رہا تھا۔

ماؤ مائی کو ناری کے حوالے کرنے کے بعد وہ فوراً اپنے کمرے میں پہنچا۔ اور اپنی تمام ملک کا پشتارہ بنا، شانوں پر لاد کر چل کھڑا ہوا۔ راستے سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہ اس نے اُسی وقت ذہن نشین کر لیا تھا جب وہ ماسکو لایا جا رہا تھا۔ علاوہ ازیں اس کا گاؤں شہر سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ سڑک پر وہ سیدھا چلا جا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں اُفق پر گڑی ہوئی تھیں اور اس کے قدم تیز تھے۔ جیسے اس کی ماں گھر پر اس کا انتظار کر رہی ہو۔ اور وہ عرصہ دراز تک پردیس میں آوارہ گردی کے بعد واپس لوٹا ہو۔

دوسرے دن وہ اپنی جھونپڑی میں پہنچ گیا۔ فصل کٹنے کا موسم تھا۔ محنتی ہونے کی وجہ سے اسے فوراً کھیتوں میں کام مل گیا۔

اس دوران میں ماسکو میں اس کی تلاش شروع ہوئی۔ پولیس کو بھی اطلاع دی گئی۔ مالکہ نے انتہائی غم وغصہ کا اظہار کیا۔ بلکہ روئی بھی۔ اور نوکروں کو دھمکایا۔ کہ اس نے کتیا کو مار ڈالنے کے لئے کبھی نہیں کہا تھا۔ گوریلا الگ ہدف ملامت

بنا۔ بالآخر گاؤں سے خبر پہنچی کہ جر تنظیم یہاں ہے۔ مادام کو اطمینان ہُوا۔ پہلے تو اُسے واپس بُلانے پر آمادگی ظاہر کی لیکن پھر کچھ سوچ کر کہا کہ مجھے ایسے بیوفا ملازم کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ اب جر تنظیم تنہا اپنی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ اور ہمیشہ چار آدمیوں کا کام اکیلا کرتا ہے۔ اس کے پڑوسی سخت حیران ہیں کہ اُس نے ماسکو سے واپسی کے بعد کبھی کُتا کیوں نہیں پالا۔

"بہر حال" وہ کہتے ہیں "آخر اُسے کتّے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کون ایسا بیوقوف چور ہوگا۔ جو اُس کے گھر میں گھُسنے کی کوشش کریگا"

کیونکہ سارا گاؤں بہرے کی غیر معمولی طاقت کے زیر اثر ہے۔

اعتراف

نوشتہ :-
ہرمون سڈرمین

مترجم
احسان علی شاہ بی۔ اے

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے محترمہ! کہ میں ایک دفعہ پھر اطمینان سے باتیں کرنے
کے لئے آپ کے پاس بیٹھ سکا ہوں۔ تعطیلات کا شور و شغب ختم ہو چکا ہے اور
آپ میری گفتگو سننے کے لئے وقت نکال سکتی ہیں۔

آہ! یہ بڑے دنوں کا زمانہ! میرا ایمان ہے کہ کسی کینہ توز روح نے ان دنوں
ہم غیر شادی شدہ نوجوانوں کو پریشان کرنے اور ہماری خانہ برباد زندگی کے بے رنگ
پہلوؤں کو خاص طور پر ابھارنے کے لئے بنا دیا ہے۔ یہ دن دوسروں کے لئے
تو باعثِ مسرت و راحت ہیں لیکن ہمارے لئے مصیبت خیز و دردناک ہیں۔ ہا
میں جانتا ہوں کہ ہم دنیا میں بالکل بھی نہیں ..... ہم بھی دوسروں کو خوش کر
بے پایاں مسرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہی ایک ایسی مسرت ہے جو حقیقت

زمانہ سیر و تفریح کی روحِ رواں ہے۔

میں کیوں اپنے دل کا سارا راز تمہارے سامنے اُگل نہیں دیتا؟ تم پوچھتی ہو۔ تم ہمدردی کی دیوی تم...... تم جو ہمدردی کو اس دریا دلی سے استعمال کرتی ہو جس سے تمہاری صنف محروم ہے۔ اس کی بھی وجہ ہے تمہیں یاد ہے کہ "سیپیڈیل" نے اپنی نظم "تنہا چڑیا" میں جو تم نے بڑے دنوں کے بعد مجھے بھیجی تھی۔ میرے خیالات کا کتنی صحیح عکس دکھایا ہے۔ "ایک غیر شادی شدہ نوجوان" وہ کہتا ہے۔ "آرام و راحت کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پریشانیوں سے اکتسابِ مسرّت کرتا ہے۔"

ایک اور قسم کے مجرّد بھی ہوا کرتے ہیں جو عرفِ عام میں گھرانے کے دوست کہلاتے ہیں۔ اس سے میرا مطلب اُن لوگوں سے نہیں ہے جو خاندانوں کو تباہ کرنے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور جن کی آنکھوں میں آتشدان کے قریب آرام کرسی پر بیٹھتے ہی حسد و کینہ کے سانپ لہرانے لگتے ہیں۔ میرا مطلب اُا کے اس اہم مکتب سے ہے جو گھر بھر میں چچا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو ننھے بچّوں کو گود میں لے کر اُس وقت لوریاں دینے لگتا ہے۔ جب بچّہ اپنی والدہ کو کسی رسالے میں سے قابلِ گرفت فقروں کو چھوڑتا ہوا کوئی مضمون سُناتا ہے۔

میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے دوست کے خاندان کی خدمت کرنے میں اپنی عمریں گذار دیں۔ ایسے آدمی جو ایک حسینہ کے

پہلو میں کوئی خواہش محسوس کئے بغیر برسوں بیٹھے رہے جس کو وہ پرستانہ عقیدت کے ساتھ چاہتے تھے۔

کیا تمہیں شک ہے؟ شاید کسی خواہش کو محسوس کئے بغیر میں نے تمہیں پریشان کیا ہے۔ ممکن ہے تمہارا قیاس صحیح ہو۔ بہترین دل و دماغ میں بھی کوئی نہ کوئی بدترین خواہش پوشیدہ ہوتی ہے... میرے الفاظ پر غور کرو... لیکن یہ خواہش زنجیروں میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے۔

کل سالِ نو کی رات تھی۔ دو بوڑھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے یہ گفتگو آپ کو سناتا ہوں لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ یہ ساری گفتگو کن ذرائع سے مجھ تک پہنچی۔ یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اسے کسی اور کو بتائیگا نہیں۔

اس کہانی کے پس منظر کے لئے پہلے اس تصویر کو ذہن نشین کر لیجئے۔ ایک اونچی چھت والا کمرہ جو پرانے طرز پر آراستہ کیا گیا ہے۔ اس میں ایک سبز رنگ کے شیڈ والا ایسا معلق لیمپ جل رہا ہے جو بجلی کی ایجاد سے پہلے ہمارے باپ دادا استعمال کیا کرتے تھے۔ روشنی کے دھبے لیمپ کی کپکپاتی ہوئی لو میں سے نکل نکل کر ایک بڑی میز پر پڑ رہے ہیں میز پر سفید میز پوش ہے اور سامان خورد و نوش سے ڈھکی پڑی ہے۔ میز کے وسط میں بڑے بڑے دھبے نمایاں ہیں۔

دونوں بوڑھوں کا نصف جسم لیمپ کے سائے میں ہے۔ اور یہ دونوں گبڑے

اور رعشہ زدہ آدمی..... گزرے ہوئے زمانے کی حسرت خیز داستان.....
دھندلی دھندلی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ میزبان پرانے
زمانے کا فوجی آدمی ہے جو اپنی نوکدار داڑھی، تنی ہوئی مونچھوں اور تحکمانہ
ابروؤں سے فوراً پہچانا جاتا ہے۔ وہ گھومنے والی کرسی کے بازو کو بڑی مضبوطی
سے پکڑے، بالکل بے حس و حرکت بیٹھا ہے۔ صرف اس کے جبڑے حرکت
کر رہے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کچھ چبانے میں مصروف ہے۔ دوسرا
شخص اس کے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھا ایک ٹوٹے پھوٹے پائپ سے
جو بجھنے کے قریب ہے ہلکے ہلکے کش لے رہا ہے۔ یہ دراز قد اور چھریرے
بدن کا آدمی ہے۔ اس کا سینہ چھوٹا۔ پیشانی مفکروں کی پیشانی کی طرح ابھری
ہوئی اور سر بڑا سا ہے۔ اس کے جھریوں بھرے ہوئے بے رونق چہرے
پر برف جیسی لکیروں کا ہالہ سا بنا ہوا ہے۔ ایک خاموش تبسم رقصاں ہے۔ ایسا
تبسم جو بڑھاپے میں انکار سے نجات ملنے پر ہی ہو سکتا ہے۔

دونوں خاموش تھے۔ تیل جلنے کی دھیمی لگانے کی بہت ہی ہلکی سرسر
سے مل کر کمرے کے سکوت میں ایک لطیف ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ پس منظر
کی تاریکی میں چھپے ہوئے کلاک نے بلند آواز سے گیارہ بجنے کا اعلان کیا۔

"اسی وقت بجنا شروع کیا کرتی تھی وہ" کشادہ پیشانی والے بڈھے نے
کہا۔

"ہاں! اسی وقت" دوسرے نے دہرایا۔ اس کی گفتگو کا لہجہ قدرے درشت تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ تحکمانہ انداز ابھی اس میں باقی ہے۔

"میں کبھی بھی یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے بغیر اتنی اداسی ہو جائے گی"۔ پہلے نے کہا میزبان نے اثبات میں سر ہلایا۔ اُس کے جبڑے بدستور متحرک تھے۔

"پچیس دفعہ میں نے اُس کے ہاتھ سے بنا ہوا پنچ پیا ہے"۔ اُس کے دوست نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یہیں تو تم سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ یاد ہے نا!" بوڑھے فوجی نے کہا۔ "پچھلے سال ہم کسقدر خوش تھے۔" دوسرے نے کہا۔ "وہ آرام کرسی پر بیٹھی بال کے لئے جُبّہ ابھی بن رہی تھی۔ وہ اس کام میں بڑی سرگرم نظر آتی تھی اور کہتی تھی کہ وہ اسے بارہ بجے تک ختم کر دے گی۔ اور اس نے ختم کر کے دکھا دیا۔ پھر ہم نے پنچ پیا اور نہایت اطمینان سے موت کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ اس کے دو ہی مہینے بعد وہ چل بسی۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں نے "بقائے خیال" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے تم نے کبھی اُسے غور سے نہیں پڑھا۔ اب تمہاری بیوی کی موت نے اس کتاب کی وقعت میری نظروں سے بھی گرا دی ہے۔ اب تو "تشکیل عالم" کا تخیل ہی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے"۔

"ہاں وہ بہت اچھی جورو تھی"، مرحوم بیوی کے شوہر نے کہا۔ "اُسے میرے

آرام کا بہت خیال رہتا تھا جب مجھے صبح پانچ بجے ملازمت پر جانا ہوتا تو وہ چائے تیار کرنے کے لئے مجھ سے بھی پہلے بیدار ہو جایا کرتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس میں خامیاں بھی تھیں۔ جب وہ تمہارے ساتھ فلسفیانہ بحث میں اُلجھ جاتی تو....."

"تم اُس کے جذبات کو کسی وقت بھی نہ سمجھ سکے۔ دوسرے نے بڑبڑا کر کہا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر ضبط کئے ہوئے غصے کی ایک ہلکی سی کپکپاہٹ ظاہر ہوئی۔ لیکن وہ نگاہ جو اُس کے دوست کے چہرے پر جمی ہوئی تھی ہمدردی اور افسوس سے لبریز تھی۔ گویا پشت پارینہ گناہ اُس کی رُوح کی گہرائیوں میں خلش پیدا کر رہا ہے۔

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ پھر بولا:۔

"فرانز! مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے۔ ایسی بات جو ایک مدت سے مجھے دُکھ دے رہی ہے اور جس کو ظاہر کئے بغیر میں مرنا نہیں چاہتا"

"تو کہہ ڈالو" میزبان نے کرسی کے قریب پڑے ہوئے ایک برتن سے پائپ کو اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایک دفعہ تمہاری بیوی اور میرے درمیان . . . کچھ بات ہوئی تھی!"

میزبان کے ہاتھوں سے پائپ گر گیا۔ اُس نے حیرت انگیز کھلی ہوئی آنکھوں سے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔

"یہ مذاق کا موقع نہیں ہے ڈاکٹر!" اُس نے متانت سے کہا۔

"یہ ایک تلخ حقیقت ہے فرانز!" دوسرے نے جواب دیا۔ "میں اسے پورے پچیس سال سے اپنے دل کے آخری گوشے میں اٹھائے پھرا ہوں۔ اب اس کے اظہار کا آخری وقت آپہنچا ہے۔"

"کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ۔۔۔ کہ مرحومہ نے میرے ساتھ بیوفائی کی؟" خشمناک خاوند نے گرج کر کہا۔

"شرم کرو فرانز!" اس کے دوست نے نرم اور افسوس میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ بوڑھے فوجی نے کچھ زیر لب کہا اور اپنا پائپ سلگانے لگا۔

"——وہ تو فرشتوں کی طرح پاک دامن تھی!" دوسرے نے کہا۔ "ملزم ہم دونوں ہیں سنو! پچیس سال گزر چکے ہیں۔ تم نئے نئے برلن میں آئے تھے۔ اور اس زمانے میں میں یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ تم اس زمانے میں عیاشش مزاج نوجوان تھے۔ تمہیں یاد ہے؟"

"ہوں" میزبان نے کانپتا ہوا ہاتھ اپنی مونچھوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"اس زمانے میں ایک حسین فتنہ، ایکٹرس کی صورت میں یہاں وارد ہوا۔ اس کی بڑی بڑی کالی آنکھیں اور چھوٹے چھوٹے موتیوں جیسے چمکدار دانت۔ یاد ہے؟"

"ہاں ہاں! اسکا نام بیا نکا تھا" دوسرے نے جواب دیا۔ اور ایک اداس مسکراہٹ اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر چھا گئی "یقین جانو وہ چھوٹے چھوٹے موتیوں جیسے دانت کاٹ کھانے کے لئے بڑے تیز تھے۔"

"تم نے اپنی منکوحہ بیوی سے دغا کی۔ اور اُسے اس کا علم ہو گیا۔
لیکن وہ خاموش رہی سب کچھ خاموشی سے برداشت کرتی رہی۔ والدہ محترمہ کی وفات کے بعد۔ وہ پہلی عورت تھی جس نے میری نظروں میں وقعت حاصل کرلی تھی۔ وہ میری زندگی میں ایک چمکدار ستارے کی طرح داخل ہوئی اور میں اُس کی طرف اس پرستانہ عقیدت سے دیکھتا جس سے انجم پرست کسی ستارے کی طرف دیکھتے ہیں۔ میں نے اس کی تکلیف دریافت کرنے کی جسارت کی۔ وہ مسکرائی اور بولی کہ اس کی صحت ابھی تک بحال نہیں ہوئی۔ تمہیں یاد ہوگا۔ یہ واقعہ تمہارے بال کی پیدائش سے کچھ ہی دنوں بعد ہوا۔ پھر سالِ نو کی پہلی رات آئی میں حسب دستور آٹھ بجے یہاں آگیا۔ وہ طلا کاڑھ رہی تھی۔ اور میں اُسے کتاب سُناتا رہا۔ ہم اس طرح تمہارا انتظار کرتے رہے۔ گھنٹے کے بعد گھنٹہ گزرتا گیا۔ لیکن تم نہ آئے میں نے دیکھا کہ وہ زیادہ مضطرب ہوئی جاتی ہے۔ اور آخر کار وہ کانپنے لگی۔ میں بھی کانپنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ تم کہاں ہو۔ مجھے ڈر تھا کہ اُس عورت کی نشہ خیز آغوش میں تم وقت کی رفتار کا اندازہ نہ کرسکو گے۔ ایک تھکا دینے والی خاموشی بھاری بوجھ کی طرح کمرے کی فضا پر مسلط تھی۔ پھر میں نے ایک چھوٹے سے خوبصورت آنسو کو اُس کے پپوٹے تلے سمٹتے دیکھا۔ جو ایک سیکنڈ کے لئے اُس کی خوبصورت لمبی لمبی پلکوں کی نوکوں پر تھرتھرایا اور پھر اُس کپڑے پر گر پڑا جو اس کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ میں تمہیں ڈھونڈنے کے لئے اُچھل کر کرسی سے اٹھا۔ مجھے

ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں تمہیں اس نجس عورت کی سم آلودہ آغوش سے کھینچ لانے
کے قابل ہوں۔ لیکن وہ ابھی اچھل کر اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اسی جگہ سے جہاں میں اب
بیٹھا ہوں۔

"تم کیوں جا رہے ہو؟" اُس نے روتے ہوئے کہا۔ وہ بہت خوفزدہ معلوم ہوتی
تھی۔ "فرانز کو لانے" میں نے کہا۔ اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور بولی "خدا کے
لئے تم تو میرے پاس رہو۔ تم تو مجھے نہ چھوڑو۔"

اور پھر وہ لپک کر میری طرف آئی۔ اپنی دونوں باہیں میرے شانوں پر رکھ
دیں۔ اور اپنے چہرے کو جن پر آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے میرے
سینے سے لگا دیا۔ میری رگ رگ کانپ اٹھی میں نے عمر بھر کبھی عورت کو اتنا قریب
نہیں دیکھا تھا۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ اور اسے تسلی تشفی دینے
لگا۔۔۔ اُسے تسلّی کی۔۔۔۔ اشد ضرورت تھی! اس کی تھوڑی دیر بعد تم بھی
آ گئے۔ تم میرے جذبات کو نہ سمجھ سکے۔ تمہارا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ تمہاری آنکھیں محبت
کے بوجھ تلے بند ہو رہی تھیں۔ اُس دن سے میں اپنے آپ میں ایک عجیب تغیّر دیکھتا
جس کا خیال کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب میں نے اُسکی خوبصورت
سڈول باہوں کو اپنے گلے میں حمائل پایا۔ جب اُس کے بالوں کی جاں نواز خوشبو
نے میرے قلب و دماغ میں مدہوشی کی لہریں دوڑا دیں۔ اُس وقت وہ چمکدار
۔۔۔ سے ٹوٹ گیا۔۔۔ اور ایک عورت

میرے سامنے کمھڑی نظر آئی۔ ایک حسین دلربا عورت۔ جس کا ہر سانس مجھے محبت کی دعوت دیتا معلوم ہوتا تھا۔ میں اپنے کو بدمعاش اور فریب کار شخص تصور کرنے لگا۔ اپنے ضمیر کی پیہم لعنت ملامت سے بچنے کے لئے میں نے تمہیں تمہاری معشوقہ سے جدا کر دینے کا اقدام کیا۔ خوش قسمتی سے اُس وقت میرے پاس کچھ نقدی موجود تھی۔ اور وہ ایکٹرس پیش کردہ روپیہ لے کر خوش ہوگئی اور۔۔۔۔۔"

"اُف!" بوڑھے فوجی نے حیران ہوکر کہا "تو اُس مصیبت آفریں رقعے کی تہ میں تمہارا ہاتھ تھا جو بیانکا نے مجھے لکھا تھا۔ جس میں اُس نے لکھا تھا کہ وہ مجھے چھوڑنے پر مجبور ہے۔ باوجودیکہ اس سے اُسے سخت صدمہ ہوگا!"

"ہاں میرا ہی ہاتھ تھا" دوست نے کہا "لیکن سنو تو! ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اس روپے سے میں اطمینانِ قلب خرید سکونگا۔ لیکن اس کے باوجود میں اس نعمت سے محروم رہا۔ پریشان خیالات کا طوفان میرے دماغ میں بڑھتا گیا۔ میں اپنے کام میں ہمہ تن محو ہوگیا۔۔۔۔ یہ اُسی وقت کی بات ہے جب میں اپنی تصنیف "بقائے خیال" کے لئے مواد اکٹھا کر رہا تھا۔ تو خیر اس کام نے بھی مجھے وہ چیز نہ دی۔ جس کے بغیر میں دیوانہ ہُوا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک مکمل سال گزر گیا۔ اور سالِ نو کی رات پھر آگئی۔ ایک دفعہ پھر وہ اور میں اسی جگہ بیٹھے تھے۔ اس دفعہ تم گھر پر ہی تھے۔ لیکن دوسرے کمرے میں صوفے پر پڑے سو رہے

تھے۔ ایک پُرلطف دعوت نے تمہیں بیحد تھکا دیا تھا۔ میں اُس کے سامنے بیٹھا اُس کے زرد، زرد رُخساروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اُس دن کی یاد ایک طوفان کی طرح میرے دماغ پر چھا گئی۔ میں ایک دفعہ پھر اُس کا لطیف خوشبوؤں میں بسا ہوا سر اپنے سینے پر دیکھنا چاہتا تھا۔ میں ایک دفعہ اُس کے لعل پاش ہونٹوں سے ایک بوسہ چُرانا چاہتا تھا اور پھر . . . تعلقات کا خاتمہ۔ ایک لمحہ کے لئے ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ میں اپنے پوشیدہ سوالات کا جواب اُس کی نگاہوں میں رقصاں پاتا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی غیر مرئی قوت نے میرا دل اس کے سینے میں رکھ دیا ہے۔ اب ضبط میرے احاطۂ قدرت سے باہر تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اُس کے قدموں میں ڈال دیا۔ اور اپنا چہرہ، جلتا ہوا چہرہ . . . . اُس کی گود میں رکھ دیا۔

میں شاید دو سیکنڈ تک اسی طرح پڑا رہا۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں نے میرے سر کو مس کیا اور اُس کی مترنم آواز نے ہمدردی کے لہجے میں یہ الفاظ کہے "ہمت سے کام لو پیارے دوست! ہمت سے۔ اپنے اُس دوست کو دھوکا نہ دو، جو تم پر پورا اعتماد کرکے اُس کمرے میں پڑا سوتا ہے۔" میں تو اُچھل کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اور بھٹکے ہوئے راہی کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس نے میز پر سے کتاب اُٹھائی اور میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں سمجھ گیا اور اُسے یونہی کہیں سے کھول کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ میں نہیں جانتا کہ میں نے کیا پڑھا۔ کتاب کے حروف میری

نگاہوں کے سامنے ناچتے ہوئے معلوم ہوتے تھے لیکن وہ طوفان جو میری روح کی گہرائیوں میں بپا ہو رہا تھا کمزور ہوتا گیا۔ اور جب بارہ بجے تم او نگھتے ہوئے سالِ نو کی مبارکباد دینے آئے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گناہ کا وہ لمحہ گذرے ہوئے زمانے کا ایک دھندلا بلکہ بھولا ہوا واقعہ ہے۔

اُس دن سے میری روح کو سکون حاصل ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ اُس نے میری محبت کو ٹھکرا دیا اور رحم و ہمدردی کے علاوہ مجھے اور کسی چیز کی توقع نہ رکھنی چاہئے۔ سالہا سال گزر گئے۔ تمہارے بچے جوان ہو گئے اور اُنہوں نے شادیاں کر لیں۔ ہم تینوں بوڑھے ہو گئے۔ تم نے آوارہ مزاجی کو ترک کر دیا۔۔۔۔۔۔ دوسری عورتوں کو بھول گئے اور اپنی تمام تر توجہ اُس بیوی پر مرکوز کر دی۔ جو میرے جہان آرزو کا واحد مرکز تھی۔ پر تیرنا ممکن تھا کہ میں اُس سے محبت کرنا ہی چھوڑ دوں البتہ میری محبت نے دوسرا رُخ اختیار کر لیا۔ سفلی خواہشات سب مٹ گئیں اور ہماری روحوں میں ایک لافانی رشتہ استوار ہو گیا۔ تم عام طور پر ہم دونوں کو فلسفیانہ مسائل پر بحث کرتے دیکھ کر ہنس دیا کرتے تھے۔ لیکن اگر تم یہ سمجھ جاتے کہ اس وقت ہم دونوں کی روحیں کسقدر قریب ہوتی تھیں تو یقین مانو تم سخت ترین حسد میں مبتلا ہو جاتے۔ اب وہ فوت ہو چکی ہے۔ ممکن ہے کہ آنے والے سالِ نو تک ہم میں سے کوئی راہِ فنا اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لہٰذا میرے لئے ضروری تھا۔ کہ میں اس راز کو ظاہر کر دوں۔ فرانز! میں تمہارا گنہگار ہوں۔ مجھے

فرانز! میں تمہارا گنہگار ہوں۔ مجھے معاف کردو۔"

اُس نے ملتجیانہ ہاتھ پھیلائے۔ لیکن اس کے دوست نے جواب دیا۔

"تمہیں بتا دوں۔ کہ میں بڑھاپے کے آنے تک دوسری عورتوں کے پیچھے کیوں مارا مارا پھرا۔ کیونکہ مرحومہ نے مجھے اُس وقت یہ بتا دیا تھا کہ اُس کی محبّت کا ایک حقدار ہے اور وہ تم ہو۔"

میزبان کا دوست متحیّر نگاہوں سے اُس کی طرف تکنے لگا اور کلاک نے اپنے قدیم درشت لہجے میں آدھی رات کا اعلان کیا۔

پشیمانی

نوشتہ:-
موپاساں

مترجم
اکرام قمر

ساڈل ابھی ابھی بستر سے اُٹھا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ موسمِ خزاں کی یہ ایک افسردہ صبح تھی۔ پتّے جھڑ رہے تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ پتّوں کا گرنا ایک اور بارش کا منظر پیش کر رہا تھا جو موسلادھار مگر آہستہ آہستہ ہو رہی تھی۔ مسٹر ساڈل کی طبیعت پریشان تھی، وہ آتشدان اور کھڑکی کے درمیان ٹہل رہا تھا۔

زندگی میں تاریک دن بھی آیا کرتے ہیں! ساڈل کی عمر باسٹھ برس کی تھی وہ تن تنہا اور کنوارا تھا۔ ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جسے وہ اپنا کہہ سکے، اکیلے بغیر کسی کی محبّت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مرنا کسقدر رنج دہ واقعہ ہے!

اُس نے اپنی تیرہ و تاریک زندگی پر نظر دوڑائی۔ گزرے ہوئے دن لَوٹ یاد آنے لگے۔ بچپن کے ایّام، والدین کا گھر، زمانہ تعلیم، اُس کی شرارتیں، پیرس میں

اس کی طالب علمی کے دن، اُس کے باپ کی علالت اور وفات، یہ تمام مناظر اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے، وہ اپنی ماں کے پاس رہنے لگا، وہ دونوں اکٹھے رہے۔ ایک جوان اور دوسری عمر رسیدہ۔ دونوں نے اپنی زندگی خاموش اور بغیر کسی قسم کی دنیاوی خواہشات کے بسر کی۔ آخر کار ماں بھی گئی۔ آہ..... زندگی کتنی تاریک ہے! اُس نے تمام زندگی تنہائی میں بسر کر دی۔ اور اب اپنے معینہ وقت پر وہ بھی مر جائیگا۔ اس کے مرتے ہی قصّہ ختم ہو جائیگا۔ اور سامل کی کوئی نشانی صفحۂ زمین پر نہ رہے گی۔ یہ کتنا خوفناک خیال ہے۔ دوسرے لوگ زندہ رہیں گے اور ہنستے کھیلتے اپنی زندگی بسر کر دیں گے۔ لوگ مسرتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔ مگر وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہوگا۔ یہ عجیب چیز نہیں ہے کہ لوگ موت کے لابدی سائے کے نیچے ہنس کھیل کر مسرّتوں میں اپنی زندگی بسر کر دیں! اگر موت مشتبہ ہوتی تو زندگی مجموعہ بیم ورجا بن سکتی تھی۔ مگر موت ایک لابدی امر ہے۔ اسی طرح لابدی جس طرح دن کے بعد رات کا آنا یقینی ہے!

کاش اُس کی زندگی مکمل ہوتی! اُس نے زندگی میں کچھ کیا ہوتا! اُس نے فتحمندیاں، مسرّتیں اور تسکین قلب حاصل کی ہوتی! مگر اس کی زندگی میں کچھ نہیں تھا! اُس کی زندگی میں سوائے مقررہ اوقات پر جاگنے اور سو جانے کے اور کوئی بھی واقعہ قابل ذکر نہ تھا! اس کی زندگی کے اسی طرح باسٹھ سال گزر چکے تھے! اُس نے

دوسرے لوگوں کے برعکس شادی بھی نہیں کی تھی۔ نہ معلوم کیوں؟ اگر وہ چاہتا تو شادی کر سکتا تھا کیونکہ وہ فارغ البال انسان تھا۔ کیا یہ قسمت کا کھیل تھا کہ وہ شادی کے معاملے میں ناکام رہا؟ شاید ایسا ہی ہو! مگر انسان اپنی قسمت کو خود بنایا کرتا ہے وہ لاپروا تھا اور یہی اُس کا نقص، گناہ اور عیب تھا، کتنے لوگوں نے بے اعتنائی کی وجہ سے اپنی عزیز جانیں ضائع کر دیں! بعض اوقات بستر سے اُٹھنا، چلنا، پھرنا، بولنا اور کسی معاملہ کے نشیب و فراز پر غور کرنا بھی ایک مرحلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اُسے کسی سے محبت نہ تھی کسی عورت نے جوشِ محبت میں اپنا سر اُس کے سینہ پر نہیں رکھا تھا، توقعات کی لذیذ طاقتوں سے کسی کے ہاتھ کے دباؤ کے فطری ارتعاش سے اور خواہشات کی خوشیوں سے وہ ناآشنا تھا۔

سادل بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ اُس کی زندگی یقیناً مکمل طور پر تلف ہو چکی تھی، ہاں اُس نے محبت کی تھی اور ضرور کی تھی! اُس نے پوشیدہ طور پر بے اعتنائی کے ساتھ یاس انگیز محبت کی تھی۔ ایسی بے اعتنائی کے ساتھ جو اُس کی زندگی کی ایک امتیازی خصوصیت تھی، ہاں! اُس نے مادام سادرس سے محبت کی تھی جو اُس کے پرانے رفیق سادرس کی بیوی تھی، کاش اُسے یہ احساس اُس وقت ہوتا جب وہ نوخیز تھی! اُسے اُس چیز کا احساس بعد از وقت ہوا جبکہ اُس کی شادی ہو چکی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو یقیناً اُس سے شادی کر سکتا تھا۔

ساڈل نے جب اپنی محبت آمیز نظریں مادام کے چہرہ پر گاڑ دی تھیں وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا۔

مادام کی تمام ملاقاتوں کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا تھا۔ اُسے الوداع کہتے ہوئے جو غم اُسے ہوا تھا اور اُن راتوں کی بیتابیاں جو اُس نے مادام کی یاد میں پہلو بدل بدل کر آنکھ جھپکائے بغیر گزاری تھیں یہ سب کچھ اُسے اب محسوس ہو رہا تھا۔ یہ سب کچھ کیوں تھا؟ وہ حسین بھرے ہوئے جسم کی ملکہ خاتون تھی۔ ساڈرس اُس کا خاوند بننے کے قابل نہیں تھا۔ وہ اس وقت بھی باون سال کی عمر میں ایک خوش ذوق عورت تھی۔ کاش اس خاتون نے اس سے گزشتہ ایام میں محبت کی ہوتی۔ محض محبت کی ہوتی! کاش وہ کچھ قیافہ شناسی کرتی۔ کیا اُس نے قیافہ شناسی نہیں کی تھی۔ کیا اُس نے کچھ دیکھا نہیں تھا اور کیا اُس نے اپنے دماغ سے کام نہیں لیا تھا۔ مگر ان سب باتوں کے بعد وہ کیا خیال کرتی؟ اگر وہ اُس سے اپنا مافی الضمیر کہہ دیتا تو وہ کیا جواب دیتی؟ ساڈل کے دل میں اس قسم کے ہزارہا خیالات موجزن تھے۔ اُس نے اپنی تمام زندگی پر نظر دوڑائی تاکہ تفصیلات سے آگاہ ہو سکے۔ تیا کے اُسے دو طویل حسین شامیں یاد آگئیں۔ جب اُس نے ساڈرس کے مکان پر بسر کی تھیں جبکہ مادام نو خیز ساحرہ تھی۔ مادام کی وہ تمام باتیں اُس کے نغموں کی شیریں تانیں اور مختصر مگر جامع اور پُر معنی تبسم یہ سب کچھ اُسے یاد آگیا۔ تینوں کی کنارہ پر اکٹھی سیریں اور اتوار کے

دن سبزہ زار پر بیٹھ کر دوپہر کا کھانا بھی اُسے یاد آگیا۔ ایک باغیچہ میں دریا کے کنارے پر ایک تیسرے پہر کا اچانک ہی واضح نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا۔ وہ صبح کے وقت ٹوکریوں میں کھانا ڈال کر چل پڑے تھے۔ یہ صبح موسم بہار کی ایک روشن صبح تھی جو انسان پر وجد طاری کر دیتی ہے۔ ہر چیز ترو تازہ اور خوش و خرّم تھی۔ پرندوں کے نغمات مسرّت آفریں اور اُن کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ تیز تیز تھی۔ سبزہ زار پر بید کے درخت کے تلے آب رواں کے بالکل نزدیک لہریں سورج کی شعاعوں میں رقصاں تھیں۔ اُنہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا، ہوا تازہ پھولوں اور ہریاول کی خوشبو سے معطر تھی۔ وہ لذیذ ترین شراب کے نشہ میں مدہوش تھے۔ اُس دن ہر چیز حسین و جمیل تھی سادرس سو گیا۔ اُٹھتے ہی اُس نے کہا کہ یہ میری زندگی میں ایک بہترین خواب تھا۔ مادام اور سادل باہوں میں باہیں ڈالے کنارِ دریا محوِ خرام تھے۔ وہ محبّت سے اُسکے بازو پر جھک گئی۔ اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا " میں مدہوش ہو چکی ہوں " میرے دوست میں مدہوش ہو چکی ہوں " اُس نے کانپتے دل کے ساتھ مادام کے چہرہ پر نظر ڈالی۔ سادل کا رنگ زرد پڑ گیا تھا کہ کہیں اس کی نگاہیں گستاخ تو نہ تھیں۔ اور آیا اس کے لرزاں ہاتھوں نے اُس کے دلی جذبات کو تو آشکارا نہیں کر دیا مادام نے اپنے سر کو جنگلی کنول کے پھولوں سے آراستہ کیا ہوا تھا، وہ کہنے لگی " تو کیا تم مجھے اس حالت میں پسند نہیں کرتے ؟ " اُسے کچھ جواب نہ سوجھا اور

خاموش رہا۔ وہ ہنس پڑی اور اُس کے قہقہوں سے تمام وادی گونج اُٹھی اور کہا۔ "آپ کو کیا تکلیف ہے؟ کچھ تو فرمائیے۔ اُس کے گلے میں پھانس لگ گئی اور ایک لفظ تک نہ کہہ سکا، یہ تمام واقعات اُس کے لئے آج بھی اسی طرح واضح اور روشن تھے، وہ اس بات پر غور کرنے لگا کہ مادام نے اُسے کیوں کہا "آپ کو کیا تکلیف ہے؟ کچھ تو فرمائیے!" اُسے یاد آگیا کہ کس طرح محبّت آمیز جذبہ کے ساتھ وہ اس کے بازو پر جھک گئی تھی ایک سایہ دار درخت کے نیچے سے گزرتے ہوئے اُس نے محسوس کیا تھا کہ مادام کا کان اُس کے گالوں سے مس ہو رہا ہے۔ مگر اُس نے فوراً اپنا سر پرے ہٹا لیا کہ کہیں ایسا کرنے سے مادام کا یہ مطلب نہ ہو کہ دونوں کے درمیان ایک گہرا رشتہ ہو جائے۔ جب اُس نے مادام کو واپس چلنے کے لئے کہا تو مادام نے اُس کے چہرے پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی۔ اُس وقت اُسے کچھ بھی خیال نہ آیا اور اب وہ تمام باتیں اس پر واضح ہو گئی تھیں جیسے آپ کی مرضی! اگر آپ تھک گئے ہیں تو چلئے واپس چلیں!! اور اُس نے کہا "نہیں میں تھکا نہیں، غالباً سادرس جاگ اُٹھا ہوگا"۔ مادام نے کہا "اگر آپ کو میرے خاوند کے جاگ اُٹھنے کا ڈر ہے تو یہ اور معاملہ ہے، چلو واپس چلیں"، واپسی کے وقت وہ خاموش رہی اور نہ اُس کے بازو پر جھکی۔ کیوں؟ اس وقت اس کی وجہ معلوم کرنے کا اُسے خیال تک نہ آیا۔ جو چیز کہ وہ اس وقت نہیں سمجھا تھا اب اس پر آشکارا ہو چکی تھی یہ کیا تھا؟ سانتل نے حجاب سا محسوس کیا اور ایک چھلانگ لگا کر اُٹھ کھڑا ہوا گویا

وہ تیس برس کا ایک جوان ہے اور اب وہ سمجھا تھا کہ اُسے مادام کو اس وقت کہنا چاہیئے تھا "مجھے تم سے محبت ہے" کیا یہ ممکن ہے ؟ یہ خیال جو اس کے دل میں ابھی ابھی جاگزیں ہوا تھا۔ اس کے لیئے تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اُس نے نہ تو کچھ حقیقت میں دیکھا اور نہ کچھ خواب میں ؟ کاش کہ ایسا ہوتا کہ اُس نے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے کچھ فائدہ اُٹھا لیا ہوتا۔

اُس نے کہا میں جاننا چاہتا ہوں۔ میں بہت عرصہ تک شبہ میں مبتلا رہنا نہیں چاہتا۔ میں حقیقت سے واقف ہونا چاہتا ہوں ! اُس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اندر اپنے دل میں کہا " اگر میں باسٹھ سال کا ہوں تو وہ بھی باون سال کی ہے۔ مجھے اب اس سے درخواست کرنی چاہیئے " وہ چل پڑا۔ سادرس کا مکان کوچہ کے دوسرے سرے پہ۔ تقریباً اُس کے اپنے مکان کے بالمقابل واقع تھا۔ اُس نے وہاں پہنچکر دروازہ پہ دستک دی، ایک ملازمہ نکلی۔

" مسٹر سادل آپ کو اس وقت کیا کام ہے ؟ کیا آپ کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے ؟ " سادل نے جواب دیا " نہیں نہیں ! تم جاکر اپنی مالکہ سے کہو کہ میں ابھی ابھی اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں " ملازمہ اندر گئی اور سادل نے ڈرائنگ روم میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی پریشانی محسوس نہیں کر رہا تھا، وہ صرف اس سے کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ مثلاً کھانے کی رسید کے متعلق، مگر وہ سوال جو وہ اُس سے پوچھنا چاہتا تھا یہ تھا " کیا آپ کو علم ہے کہ میری عمر باسٹھ سال کی ہوگئی ہے ؟ "

دروازہ کھلا اور مادام نمودار ہوئی، وہ اب ایک عمر رسیدہ فربہ عورت تھی، اُس کے قہقہوں کی آواز بہت بلند تھی، شیر سے میں لت پت بازو پھیلائے اور اپنی آستینیں کاندھے تک چڑھائے ہوئے وہ چلی آرہی تھی۔ اُس نے تشویشناک انداز میں پوچھا "کیا معاملہ ہے؟ کیا آپ بیمار ہیں؟" "نہیں نہیں! میں آپ سے ایک چیز دریافت کرنا چاہتا ہوں جو میرے لئے نہایت اہم ہے، اور میرے دل کو تکلیف دے رہی ہے۔ مگر آپ وعدہ کریں کہ آپ صاف صاف بغیر کسی قسم کی لگی لپٹی کے جواب دیں گی" اُس نے ہنسکر کہا "میں ہمیشہ سے صاف گو ہوں، آپ اپنی بات کیجئے۔

"بہت خوب تو سنئیے! پہلے ہی دن سے جب میں نے آپ کو دیکھا تھا میں آپ سے محبت کرتا ہوں، کیا آپ کو اس میں کچھ شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ اُس نے ہنستے ہوئے اپنے پہلے انداز میں کہا۔ "آپ کو کیا تکلیف ہے؟ میں بھی اس بات کو شروع سے جانتی ہوں۔" ساول نے کانپتے ہوئے شکستہ الفاظ میں کہا۔ "آپ یہ جانتی ہیں، مگر پھر ——" وہ ٹھہر گیا۔ مادام نے پوچھا "پھر کیا؟" اس نے کہا، پھر —— آپ نے کیا سوچا؟ —— کیا —— کیا۔ آپ نے کیا کہا؟ ——

وہ قہقہہ لگا کر اتنے زور سے ہنسی کہ اُس کی اُنگلی سے لگا ہوا شربت دری پر گر گیا۔

"میں نے؟ مگر آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا ہی نہیں! مجھے اظہار نہیں کرنا تھا۔"

وہ اُس کی طرف بڑھا۔

مجھے بتائیے ـــــ مجھے بتائیے ـــــ آپ کو وہ دن یاد ہوگا۔
جب ساور میں سبزہ زار میدان پر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سو گیا تھا ـــ
اور ہم دریا کے موڑ تک ٹہلتے چلے گئے تھے، دو بیچے ـــــ"
اُس نے متوقعانہ انداز میں کچھ انتظار کیا، وہ ہنستے ہنستے تھم گئی۔ اور اُس
کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دیکھنے لگی۔
"ہاں ہاں! مجھے یاد ہے!"
اُس نے اپنے لرزاں جسم کے ساتھ کہا مد ہاں ـــ اُسی دن ـــ اگر
میں ـــ اگر میں ـــ ـــ ارادہ کرتا ـــــ تو آپ کیا کرتیں؟"
وہ ایک خوش و خرم عورت کی طرح ہنس پڑی جیسے دُنیا میں کوئی غم نہ ہو۔ اور
نہایت آزادی سے طنزیہ انداز میں کہا "میں تمہاری ہو جاتی، میرے دوست!"
وہ پھر ایس مُربّہ بنانے کے لئے چلی گئی۔
ساول سر جھکائے جلدی سے باہر کو یہ میں نکلا گویا اُسے ایک آفتِ عظیم کا
مقابلہ کرنا پڑا تھا۔
وہ لمبے لمبے قدم اُٹھاتا، بارش میں سیدھا چلتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ دریا پہ
پہنچ گیا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ کنارے پہنچ کر وہ دائیں
طرف ہو لیا۔ بہت عرصہ تک وہ کسی خواہش کے ماتحت چلتا رہا۔ اس کے کپڑے
بارش سے شرابور ہو چکے تھے۔ اُس کی ہیٹ اندر کو دھنس گئی تھی اور بالکل

چیتھڑا بن چکی تھی۔ اس سے ٹپ ٹپ پانی گر رہا تھا۔ وہ ناک کی سیدھ
چلتا گیا۔ آخرکار وہ اس جگہ پہنچا جہاں انہوں نے ایک عرصہ ہوا دوپہر کا
کھانا کھایا تھا اور جس واقعہ کی یاد ابھی تک اُس کے دل کو ستا رہی تھی۔
وہ برہنہ درختوں کے نیچے بیٹھ کر رونے لگا

یہ دُنیا ہے!

نوشتہ :-
والٹیر

مترجم :-
احمد شجاع پاشا بی۔اے

(۱)

دنیا پر حکومت کرنے والے فرشتوں میں سے میکائیل کی قلمرو میں برّاعظم ایشیا بھی شامل تھا۔ وہ ایک رات ستھیا کے رہنے والے بابک کے پاس آیا اور کہنے لگا "بابک! فارس کے رہنے والوں کے گناہ حد سے تجاوز کرتے جا رہے ہیں۔ کل ایک مجلس میں جو آسمان کی بلندیوں پر منعقد کی گئی تھی یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یا تو اہلِ فارس کو ان کے گناہوں کی سزا دی جائے یا فارس کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ تم جاؤ فارس والوں کا چلن دیکھو۔ اور آ کر مجھے بتاؤ کہ وہ کس سزا کے مستحق ہیں ——؟"

"مقدس فرشتے!" بابک نے کہا۔ "میں پہلے کبھی فارس نہیں گیا۔ نہ میں وہاں

کسی کو جانتا ہوں۔"

"یہ اور بھی اچھا ہے۔" ایشیا کے روحانی حاکم نے کہا "تم کسی کی طرفداری نہیں کرو گے۔ جاؤ تمہیں آسمان والوں کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ جہاں بھی تم جاؤ گے تم سے اچھا سلوک کیا جائیگا کسی سے خوف نہ کھانا۔۔۔ آسمان والوں کی روحانی طاقتیں تمہارے ساتھ ہیں۔۔۔"

بابک اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور دو ایک خادم اپنے ساتھ لے کر فارس کی طرف چل کھڑا ہوا۔

کچھ دن کے سفر کے بعد۔۔۔ اس نے سنار کے میدان جنگ میں فارس کی فوجوں کو دیکھا جو ہندوستانی فوجوں کے ساتھ مصروف پیکار تھیں۔

اُس نے ایک سپاہی سے پوچھا "اس جنگ کی وجہ کیا ہے؟ دو پڑوسی آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟"

"دیوتاؤں کی قسم!" سپاہی نے جواب دیا "مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اور مجھے معلوم کر کے ملیگا بھی کیا۔۔۔؟ میرا پیشہ تو لڑنا مرنا ہے۔ میں سپاہی ہوں۔ مجھے تنخواہ ملتی ہے۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑتا ہوں اور بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ مجھے تو رقم چاہیئے۔ جنگ سے مجھے کچھ واسطہ نہیں۔ سونا مجھے خرید سکتا ہے۔ اور میں سونے کے عوض اپنی جان بیچ سکتا ہوں۔ اگر ہندوستان والے مجھے فارس والوں سے زیادہ تنخواہ دیں تو میں اُن کی صفوں میں چلا جاؤنگا۔ اگر آپ جنگ

کی وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے سردار سے پوچھئے۔"

بابک سردار کے پاس گیا ــــ!

"میں کیسے بتاؤں۔ کیونکہ بتاؤں۔ میں خود بھی تو نہیں جانتا۔ میں تو دارالحکومت سے بہت دور، ایک چھوٹے سے شہر میں رہتا ہوں۔ جب مجھے اطلاع ملی کہ ہندوستان سے جنگ شروع ہوگئی ہے۔ تو میں اپنی فوج لے کر یہاں چلا آیا۔"

"کیا آپ کے ساتھیوں کو بھی اس بات کا علم نہیں ــــ؟ بابک نے حیرت سے پوچھا۔

"جی نہیں، وہ سب میری طرح دولت و عزّت کی تلاش میں نکلے۔ فاتح بنے تو غازی، مارے گئے تو شہید۔"

"پھر مجھے جنگ کی وجہ کیونکر معلوم ہوگی؟"

"آپ حکّام اعلیٰ سے پوچھئے۔ شاید وہ آپ کو کچھ بتا سکیں۔"

بابک ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ایک نے کہا "اس جنگ کا محرک بہت معمولی سا ہے۔ آج سے بیس برس پہلے فارس کے ایک خواجہ سرا اور ہندوستان کے ایک کاخدانے کے منشی میں کچھ جھگڑا سا ہوگیا۔ جس کی سزا دنیا کو مل رہی ہے۔ ہمارے وزرا تو ہمیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ اس جنگ میں انسانیت کی بھلائی ہے۔ اس جنگ میں فارس کی بہبودی ہے۔ مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ لاکھوں بچّے یتیم کئے جارہے ہیں۔

لاکھوں ماؤں کی گودیاں خالی کی جارہی ہیں۔ لاکھوں عورتیں بیوہ بنائی جارہی ہیں۔ کس لئے۔ یونہی ——؟"

دوسرے دن میدان جنگ میں یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ عنقریب دونوں طاقتوں میں صلح ہونے والی ہے۔ طرفین کے سپاہی یہ خبر سنکر غمگین ہو گئے۔ مگر سرداروں نے انہیں زیادہ دیر سوچنے کا موقع نہ دیا۔ اور دن چڑھے لڑائی شروع ہو گئی۔ آگ اور خون سے ہولی کھیلی جارہی تھی۔ انسان کا خون پانی سمجھ کر بہایا جارہا ہے۔ بابک حیران نگاہوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لڑنے والے کپڑوں کی خاطر اپنے زخمی ساتھیوں کی گردنیں اُتار رہے تھے۔ وطن دوست اور وطن دشمن کا خیال نہ تھا۔ وہاں تلوار چل رہی تھی۔ انسانوں کے سر گیندوں کی طرح اچھل رہے تھے۔ خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ ایک قیامت تھی۔ ایک طوفان تھا جو رُکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

وہ فوجی ہسپتال میں داخل ہوا —— جہاں زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ ان میں سے اکثر حکیموں اور جرّاحوں کی بے پروائی سے ختم ہوتے جارہے تھے۔ وہ درد سے مجبور ہو کر روتے چلاتے۔ مگر کسی کے کان پر جوں نہ رینگتی۔

"آہ —— !" بابک نے کہا۔ "فارس کے رہنے والے انسان نہیں درندے ہیں۔ وہ مرتے ہوئے انسان کے حلق میں پانی کے دو قطرے بھی نہیں ٹپکا سکتے —— میکائیل کا کہنا درست ہے۔ فارس ضرور تباہ کر دیا جائے گا۔"

اس کے بعد صلح ہو گئی اور بابک کو اپنا خیال بدلنا پڑا۔

(۲)

وہ شہر میں داخل ہوا ایک بڑے دروازے سے جس کے طول و عرض سے وحشت ٹپکتی تھی۔ لوگ قدیم روایات اور قدیم عمارات کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پرانی چیزیں بہت ہی بھدی قسم کی ہوتی ہیں۔

شہر کا اندرونی حصہ جہاں دکانیں تھیں کس قدر گندا تھا۔ کس قدر بدبو آ رہی تھی وہاں سے۔ اور خرید و فروخت کرنے والے لوگ گاہک اور دکاندار۔ کیا کر رہے تھے وہ ــــ؟ دنیا میں برائیوں کی تعداد بڑھا رہے تھے۔ جھوٹ بولنے والوں میں اضافہ کر رہے تھے، بابک کو گھن آنے لگی۔

وہ آگے بڑھ گیا اور ایک مندر میں داخل ہوا ــــ!

مندر میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ ان کے چہروں پر حسرت برس رہی تھی۔ وہ بہت اداس تھے۔ کچھ پرے ایک رقاصہ رقص کر رہی تھی۔ اس کے گھونگھروں کی آواز فضا میں اداسی بکھیر رہی تھی۔ اور ڈھولک کی دھک دھک غمگین ماحول کو اور غمگین بنا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ــــ چند مزدور آگے بڑھے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا۔ جس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔ شعلے نکل رہے تھے اور دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ گڑھا بہت گہرا تھا۔ کچھ آدمیوں نے ایک لاش کو

اُٹھاکر اس گڑھے میں ڈال دیا۔ چیخ پکار کی آواز آئی۔ دو ایک کراہتے ہوئے
پھر خاموشی ـــــ ! بابک کا دل متلانے لگا۔ اس نے کہا "کیا یہ لوگ اپنے
کو بھی وہیں جلاتے ہیں جہاں دیوتا کی پرستش کی جاتی ہے۔ کیا وہ اپنے مند
کو لاشوں سے سجاتے ہیں؟ اب مجھے معلوم ہوا کہ فارس میں اسقدر و
کیوں پھیلتی ہیں۔ لوگ عموماً بیمار کیوں رہتے ہیں۔ یہ سٹرانڈ ـــ یہ
بُری فضا، بُرا ماحول ـــ اس سے بیماریاں نہ پھیلیں گی تو اور کیا ہوگا
یہ ہے کہ فارس میں بھونچال آجائے اور یہ تباہ ہو کے رہ جائے۔ اور اس
نیا شہر بسے۔ نئے لوگ آئیں ـــ جو اسقدر ذلیل اور گندے نہ ہوں۔

(۳)

اسے رات کا کھانا اپنے ایک سپاہی دوست کی بیوی کے ساتھ
تھا۔ اسے اس کے خاوند کا خط بھی پہنچا تھا۔ اس عورت کا مکان شہر کے
حصے میں تھا ـــ وہ شہر کی سیر کرتا ہوا جا رہا تھا۔

اور کئی مندر بھی اس کی نظر سے گزرے جو اچھے بنے ہوئے تھے۔
بابک کو تعریف کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ ان مندروں کے پجاری بھی
لباسوں میں ملبوس تھے۔ اُن کی موسیقی بھی پُرلطف تھی۔ بابک کا دل اچھل
اور اُسے کچھ خوشی سی محسوس ہو رہی تھی ـــ وہ آگے بڑھا۔

سڑکوں کے دونوں طرف فوّارے چھوٹ رہے تھے۔ اُن میں سے

نکل رہا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے سبزہ زار ــــ کتنا حسین معلوم ہو رہا تھا یہ سماں ! دو رویہ درختوں کی قطار ہرے ہرے درخت اور ان قطاروں کے پیچھے اونچے اونچے سر بفلک مکانات۔ سڑکیں بالکل صاف تھیں۔ کہیں ایک تنکا بھی نظر نہ آتا تھا ــــ وہ اپنے میزبان کے گھر میں داخل ہوا ــــ !

اس کا گھر کتنا خوبصورت اور سجا سجایا تھا ــــ قرینے سے رکھی ہوئی چیزیں سلیقے سے سجائے ہوئے کمرے ــــ !

بابک نے سوچا " مقدس فرشتے کی عقل کو کیا ہو گیا۔ اتنا حسین شہر اگر تباہ کر دیا جائے تو بنی نوع انسان کا ناقابل تلافی نقصان ہو گا ــــ ! "

(۴)

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اُس نے بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جس سے اُس کے دل کو کچھ دھچکا سا لگا۔ سپاہی کی بیوی ایک خوبصورت نوجوان سے پیار اور محبّت کی باتیں کر رہی تھی۔ ایک منصف اپنی بیوی کو چھوڑ کر ایک بیوہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی اپنی ایک خوبرو جوان کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھی چُپکے چُپکے کچھ باتیں کر رہی تھی۔

فرشتے نے بابک کو جو دل میں گھر کر جانے کی طاقت عطا کی تھی اس کی مدد سے وہ ان بھیدوں کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے کیا معلوم ہوا یہی کہ لوگوں کے دلوں پر گناہ حکومت کر رہا ہے۔ اُس نے آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھا کر کہا ــــ

"یہ سوسائٹی بہت جلد فنا ہو جائے گی۔ رقابت ـــــ حسد اور انتقام ـــ اس دنیا کو تہ و بالا کر دیں گے۔ یہاں روز خون بہے گا اور آنسو بہیں گے۔ شوہر یا تو اپنے رقیبوں کو قتل کر دیں گے۔ یا اُن کے رقیب اُن کی بیویوں کے ساتھ مل کر اُن کا کام تمام کر دیں گے۔ مقدس فرشتے کو چاہیئے کہ ان واقعات کے پیش آنے سے پیشتر ہی اس شہر کا نام تک صفحۂ ہستی سے مٹا دے ـــــ!!"

(۵)

وہ انہی خیالوں میں غرق تھا کہ اُس نے ایک بزرگ شخص کو دیکھا جو سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ وہ اس نوجوان منصف سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ منصف نے کاغذوں کا ایک پلندہ اُٹھا کر اُسے دیدیا اور اُس سے بات تک نہ کی۔

"یہ کون ہے؟" بابک نے پوچھا۔

"یہ شہر کا ایک مشہور قانون داں ہے۔ اس نے اپنی عمر کے پچاس قیمتی سال قانون کے مطالعہ میں صرف کئے ہیں۔ اور دوسرا شخص جو منصف ہے ابھی شباب کے اوّلین مراحل میں ہے۔ اس کی عمر پچیس کے قریب ہے۔ اور اس نے قانون کا دو دن بھی مطالعہ نہیں کیا۔ یہ بوڑھا وکیل بیگار میں پکڑا گیا ہے اور اسے منصف کے لئے مقدمات کے فیصلے لکھنے پڑینگے۔" ایک شخص نے اُسے سمجھایا۔

"یہ نوجوان منصف واقعی عقلمند ہے جو بڑے بوڑھوں سے نصیحت طلب کرتا ہے۔ مگر یہ بوڑھا منصف کیوں نہ بنا؟"

"آپ سمجھے نہیں" اُس شخص نے پھر کہا "یہاں محنت مزدوری کرنے والوں کو عزّت کے پہلو میں نہیں بٹھایا جاتا ـــ یہ نوجوان اپنے باپ کی دولت کی وجہ سے منصف بن گیا ہے۔ فارس میں انصاف کرنے کا حق بھی فروخت کیا جاتا ہے ـــ"

"یہ بدقسمت ملک! یہاں ملازمتیں بھی ان کو دی جاتی ہیں جو امیر ہوں جن کی دولت انہیں اس قابل بنا سکے کہ وہ عزّت خرید لیں۔ جہاں انصاف کرنے کا حق بیچا جا سکتا ہے وہاں فیصلے بھی بکتے ہوں گے ـــ انصاف بھی فروخت ہوتا ہوگا ـــ!"

ایک فوجی افسر نے کہا "اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ میں نے فوج میں عہدہ خریدا ہے۔ مجھ سے قابل اشخاص جو فن سپہ گری سے بخوبی واقف ہیں ابھی تک سپاہی ہیں۔ مگر میری دولت نے مجھے اتنا بڑا عہدہ دلوا دیا۔ فارس میں غریبوں کو رہنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ ملک امیروں کے لئے ہے جو غریبوں کا خون چوس چوس کر دولت جمع کرتے ہیں"

بابک کو حیرت ہوئی۔ اُسے افسوس ہوا اس ملک کی قسمت پر، جہاں امیر آدمیوں کے بیٹوں کو ملازمتیں ملتی ہیں۔ جہاں قابلیت نہیں دولت سب کام کرتی ہے۔ کیا اہلِ فارس مساوات کے حامی نہیں ہیں ـــ؟

ایک موٹا سا آدمی اندر داخل ہوا۔ اُس نے فوجی افسر سے کہا "میں تمہیں چالیس ہزار سے زیادہ قرض نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس دفعہ مجھے بہت تھوڑا لگان ملا ہے"

جب بابک نے اس کے متعلق پوچھا تو اُسے بتایا گیا کہ وہ فارس کا ایک سپاہی ہے ——"فارس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں۔ بادشاہ ان سے ایک خاص رقم لے کر اپنے ملک کے حصّے بخرے کر کے انہیں ٹھیکے پر دے دیتا ہے۔ اور وہ غریبوں پر ظلم کر کے اُن سے روپیہ بٹورتے ہیں ——!"

بابک نے کہا —"یہ ملک ضرور تباہ ہو جائے گا۔"

(۶)

بابک کو فارس والوں کی حالت پر ترس آرہا تھا۔ یہ کم عقل انسان کس راستے پہ چلے جا رہے تھے۔ ان کی منزل کہاں تھی؟ اس نے ارادہ کیا کہ وہ فارس کے پڑھے لکھے لوگوں سے ملاقات کرے، شاید وہی اس کے دل کو تسکین پہنچا سکیں۔

دوسرے دن وہ ایک مکتب میں گیا، جہاں کے استاد مذہب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

ایک افواہ پھیل گئی کہ وہ مکتب کی اصلاح کے لئے آیا ہے۔ استاد اس کے پاس آئے اور ایک دوسرے کی چغلی کھانے لگے —— وہ سب یہی کہتے "ہمیں رکھو ہم قابل ہیں۔ باقی سب کو نکال دو۔"

بابک سوچنے لگا ——"یہ لوگ کیسے ہیں؟ عالم ہیں —— پڑھے لکھے ہیں —— عوام کو مذہب کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر خود کدھر جا رہے ہیں۔ کمینے لوگ۔ یہ ایک دوسرے کی چغلی کیوں کھاتے۔ ایک دوسرے کی برائیاں کیوں کرتے

ہیں ؟ ــــــ کیا یہ اتفاق سے نہیں رہ سکتے ؟ یہ استقدر خود غرض کیوں ہیں ــ
اپنی تعریف بھی کوئی تعریف ہے۔ اچھا وہ ہے جس کی تعریف دوسرے
کریں۔ انہیں اصلاح کی ضرورت ہے ــــــ ان کی اصلاح انقلاب ہی کر سکتا
ہے۔ نیا زمانہ، نئی چیزیں، نئے لوگ، نئے مکتب اور نئے تلامذہ ــــــ کاش
ایک بھونچال آجائے۔ فارس غرق ہوجائے اور اس کی مٹی سے ایک نیا فارس
بنے۔ جس میں یہ سب چیزیں موجود نہ ہوں ــــ ــ ،،

(۷)

اور پھر ایک دن ــــــ اُس نے چند عالموں کو کھانے پر بلایا۔ وہ سب
کے سب کھنچے چلے آئے۔ جیسے مکھیاں شہد کی طرف آجاتی ہیں۔ انکی تعداد
بہت زیادہ تھی۔ کھانے کے وقت باتیں ہوتی رہیں۔ سب گفتگو میں حصّہ لے
رہے تھے۔ مگر بابک نے دیکھا کہ یا تو اپنی تعریف کرتے ہیں یا مرے ہوؤں
کی مذمّت ــــــ ایک کی اچھی بات دوسرے کو بری معلوم ہوتی تھی۔ یہ ایک دوڑ
تھی۔ جس میں سب بھاگے جا رہے تھے۔ تیز بھاگنے والے گرنے والوں کو
کچل رہے تھے، پیچھے والے آگے والوں کو دیکھ کر جل رہے تھے۔ برابر چلنے
والے ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ سب کچھ ڈر رہا تھا
اور زندگی کی دوڑ جاری تھی ــــــ بھائی بھائی کا گوشت کھا رہا تھا ــــــ فارس
تباہ ہوجانے والا تھا ــــــ !

(۸)

مہمانوں کے جانے کے بعد وہ ایک کتاب پڑھنے لگا۔ ایک عشقیہ افسانہ
— محبت کا فرسودہ موضوع رقابت — دیوانگی اور موت — اس
کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ لکھا ہوا تھا "پھول بہت حسین ہیں — بلبل
ان سے پیار کرتی ہے۔ گلستاں میں بہار آتی ہے اور گلستاں کو دلہن بنا دیتی
ہے۔ خزاں کے ظالم ہاتھ اس کا سنگار تباہ کر دیتے — آہ! زندگی محبت
ہے اور محبت زندگی ہے —" اور اسی قسم کی بیہودہ باتیں۔

یہ ادیب کونسی راہ پر گامزن ہیں — ؟ کیا یہ اپنی قوم کو فنا کی میٹھی نیند
سُلا دینا چاہتے ہیں؟ یہ خود بھی سو رہے ہیں، قوم کو کیونکر بیدار کریں گے؟ یہ
انقلاب کی حمایت کیوں نہیں کرتے — یہ لکیر کے فقیر — سانپ کے نکل جانے
کے بعد بھی لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ یہ اپنی سوسائٹی کی بُرائیاں کیوں نہیں
بیان کرتے — ؟ پُرانی ریت کی پرستش کیوں کر رہے ہیں؟ زمانہ آگے
بڑھتا ہے اور یہ زمانے کو چھوڑ کر پیچھے جانا چاہتے ہیں — انقلاب —
اے انقلاب — ! تیری قوتوں کو کیا ہُوا؟ تیری طاقتیں کہاں چلی گئیں؟
کیا تجھ میں زندگی باقی نہیں — امیر غریبوں کے نوالوں پر جھپٹ رہے ہیں۔
اور یہ شاعر اُن کی تعریف کے پُل باندھتے ہیں۔ بادشاہ ظلم کر رہا ہے اور لکھنے
والے اُسے رحمدل اور عادل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ — اس نے کتاب

پرے پھینکا۔ ہی اور دل بہلانے کے لئے باہر چلا گیا۔ اس کی ایک عالم سے ملاقات ہوئی۔ بابک نے اُسے تمام قصّہ سُنایا۔ عالم نے کہا ــــ "دُنیا یہی کہتی اور کرتی آئی ہے۔ بُرائیاں ہر زمانے میں موجود ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہمارا زمانہ بہت خراب ہے، ہمارے باپ دادا بھی یہی کہا کرتے تھے۔ اور اب اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی۔ اور ہماری نظر عوام کی خامیاں جلد دیکھ لیتی ہے۔ مگر خوبیاں نہیں دیکھ سکتی، دنیا میں ہر چیز سے انسان کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے چاہے وہ چیز بُری ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے ان لوگوں کو کھانے پر بُلایا جو کچھ نہ جاننے پر بھی بہت کچھ جاننے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ عقلمند وہی ہیں جو اپنی دنیا آپ بناتے ہیں۔"

اور پھر وہ اُسے پیر مغاں کے پاس لے گیا۔ اس کی باتوں نے بابک کے دل پر گہرا اثر کیا۔ اُس نے سوچا کہ فارس میں نیکی بھی ہے بدی بھی۔ اچھے لوگ بھی ہیں اور بُرے بھی ــــ یہ دُنیا ہے ــــ دُنیا اسی طرح چلتی ہے۔ اچھائی عموماً بُرائی سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر اچھائی سے بھی بعض اوقات بُرائیاں نکل آتی ہیں۔ دُنیا میں بُرے لوگ بہت زیادہ اور اچھے لوگ بہت کم ہیں۔ بُروں کی بُرائیاں اچھوں کی اچھائیوں کو نہیں ڈھانپ سکتیں۔ مگر اچھوں کی اچھائیاں بُروں کی بُرائیوں کو ضرور ڈھانپ لیتی ہیں۔

(۹)

بابک مقدّس فرشتے کے پاس واپس آ گیا۔ اور اُسے تمام کہانی کہہ سُنائی۔ فرشتے نے کہا " اگر تمام دُنیا اچھی نہیں تو کیا غم ہے۔ دُنیا فانی ہے مگر فارس کے رہنے والے سو رہے ہیں۔ انہیں سزا ضرور ملنی چاہیئے جس قوم کے افراد انقلاب سے خوف کھاتے ہوں۔ جس ملک کے باشندے اپنی بُرائیاں دُور نہ کر سکتے ہوں۔ اس ملک کو اس قوم کو تباہ ہو جانا چاہیئے۔ دُنیا اُس کے لئے ہے جو اپنے آپ کو اس قابل ثابت کر دے کہ وہ دُنیا میں رہ سکتا ہے ــــــ! "

"فراک"

نوشتہ

مترجم
محمد یونس احمر

جب مصوّر، مصنّف، معمار اور سنگتراش اپنے اپنے فنونِ لطیفہ کو حدِّ کمال تک پہنچا دیتے ہیں تو اُس وقت اُن کی زبان سے یہ والہانہ الفاظ ووش فضا پر بازگشت کرتے سُنائی دیتے ہیں — "دیکھو! یہ ہمارے احساسات اور جذبات کا نتیجہ ہیں۔ آنے والی نسلیں ہم پر فخر کرینگی"

لیکن اداکار اور موسیقار کی زندگیاں ایک خلا ہیں جہاں صرف ماضی کی سنہری یاد اپنی گزشتہ جھلک پیش کرتی ہے۔ اور اُن کی بلند و بالا عظمت انسان کے حافظے میں اپنی مستقل جگہ بنا لیتی ہے۔ انسان انہیں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ بہت ممکن ہے کبھی آپ کے کان میں یہ آواز گونج اُٹھے۔ "میرے پیارے تم نے "جین ڈی رزکی" کا نام سنا ہوگا۔ یا "میک ریڈی" کی اداکاری دیکھی

ہوگی۔" لیکن اگر آپ کے کان اس آواز سے آشنا نہیں ہیں تو ظاہر ہے کہ "جین ڈی رزکی" اور "میک ریڈی" کی بلند ہستیاں اور ان کی نہ بھولنے والی عظمتیں آپ کے دل و دماغ پر اثر انگیز نہیں ہونگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اداکار کی زندگی موسیقار کی زندگی سے بالکل مختلف ہے۔ اداکار کی زندگی رنج و محن، درد و غم کا منبع ہوا کرتی ہے۔ اس کے آئینہ دل میں بیشمار بال پڑ جاتے ہیں۔ موسیقار کے وقار و عظمت اور اس کی شیریں موسیقیوں کے زیر و بم کو زمانہ حاضر کی آہنی مشینریوں میں اس طرح سمو دیا جاتا ہے کہ وہ زندہ جاوید بنکر بزم انسانی احساسات کو متزلزل کرتا رہتا ہے۔ لیکن ابتک دنیا ایسی مشینری ایجاد کرنے سے قاصر رہی جو "جوزف جیفرسن" یا "ہنری ارونگ" کی غیر فانی اداکاری کے جوہر کو پائندہ رکھ سکتی۔ ان کے نشانات صفحۂ ہستی سے ناپید ہو چکے ہیں اور ان کی اداکاری مٹ چکی ہے۔ مجھے وہ دن اب تک یاد ہے اور شاید سطح تخیل میں ہمیشہ باقی رہے گا۔ جب میں نے پہلے پہل "کولن برینگر" سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔ ملاقات "کتابوں کی دنیا" میں ہوئی تھی۔ نہایت سنجیدہ اور رنگین۔ اس کے سر کے سارے بال برف کے تودے معلوم ہوتے تھے اور جسم قدرے لاغر تھا۔ روزانہ کتب خانہ میں جانا میرا معمول بن چکا تھا۔ اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں اس کو برابر اسی میگزین یا اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھتا جس میگزین یا اخبار کی مجھے ضرورت ہوتی تھی۔ اس سلسلے

میں میری اس سے دو ایک باتیں بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک دن سوئے اتفاق ہم دونوں ایک ساتھ باہر نکلے۔ اُس کو مجھ سے کچھ دلچسپی ہو گئی تھی۔
سلسلۂ ملاقات کچھ ایسا رہا کہ ایک دن اُس نے مجھے اپنی "آرامگاہ" میں آنے کی دعوت دی۔ اُس کی رہائش ٹالبوٹ روڈ کی بلند عمارت کی اوپری منزل میں تھی۔ بالکل تنہا رہتا تھا۔ لیکن لگتا ہے گا ہے ایک ادھیڑ عورت سے بحث و مباحثہ کرتے دکھائی دیتا تھا۔
کمرہ کشادہ تھا صاف و شفاف! چند پرانے فرنیچر اور فوٹوگراف کے سامان اُس کی زینت کو دوبالا کر رہے تھے۔ وہ ایکٹر تھا۔ وقت کا سب سے بڑا ایکٹر۔ لیکن اُس کی سادہ طرزِ رہائش انسان کو محوِ حیرت کر دینے کے لئے کافی تھی۔ اس کی معمولی زندگی دیکھ کر میرے ذہن و فکر میں مختلف خیالات کے بگولے اُڑتے اور ہیں ایک سوالیہ نشان بن کر آسمان کی لطیف آغوش میں لگا ہیں گاڑ دیتا۔
دُنیا اُس کی لاجواب اداکاری کی گرویدہ ہو چکی تھی۔ لیکن میں اُس کی عالمگیر شہرت سے قطعی ناواقف تھا۔ البتہ اُس کے کمرہ میں مولو وکیو اور شکسپیر کے دیگر اداکار کے روپ میں اُس کی جو تصویریں آویزاں تھیں اُن سے میں نے اُس کی شان و عظمت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ علاوہ بریں کمرے میں "جے۔ ایل ٹول" اور "اروِنگ" وغیرہم اداکاروں کی بھی تصویریں دیواروں پر مزین تھیں

باتوں ہی باتوں میں اُس کی زندگی کے بعض رومانی پہلوؤں میں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا ــــ ارونگ کی تصویر میں یہ الفاظ مرقوم تھے ــــ

"ہدیۂ نیازانہ برائے کولن برینکر"

ایک دن جب اُس نے اپنی ماں کا ذکر میرے سامنے چھیڑا اُسکی گرجدار آوازیں فضائے بسیط میں گونجتی سنائی دے رہی تھیں۔ اور رگوں میں شعلہ ہائے سُرخ رواں دواں تھے۔ اُس نے کہا تھا کہ اُس کی ماں مشہور و معروف فرانسیسی ایکٹریس تھی۔ لیکن کولن برینکر نے کبھی اپنے باپ کا ذکر نہیں کیا۔ میں اُس کی سنجیدہ گفتگو اور غیر معمولی خاطر تواضع سے اسقدر متاثر ہوا کہ ہر جمعرات کی رنگین و دلکش شام کو اُس کی شاعرانہ رومانی عمارت میں جانا اپنا معمول بنا لیا تھا اور اس لئے بھی کہ میری بیوی الیس اس روز اپنی چچی کے پاس جایا کرتی تھی ــــ نہ وہ میرے حالات زندگی جاننے کی خواہش ظاہر کرتا اور نہ میں خود اُس کی ماضی کے تاریک گوشے میں غرق ہونے کی کوشش کرتا ــــ لیکن ہاں جب دورانِ گفتگو میں اُس کے سمند حافظہ میں کوئی مضمون جاگ اُٹھتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ کسی شکستہ الماری کے دروازہ کو کھول رہا ہے جس کے اندر مختلف الوان کے پھول مرجھا چکے ہیں۔ اس طرح میری آنکھوں میں اُس کی گزشتہ زندگی کا کچھ عکس رقصاں نظر آجاتا اور میں دیکھتا کہ اُس کی پلکوں پر آنسو کے چند موتی جھلملا رہے ہیں۔

لیکن یہ عکس دیرپا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُس کی ابتدا وانتہا نہیں تھی محض ایک کشش تھی، ایک زاویہ خیال تھا جو مختلف پہلوؤں سے نگاہ شوق کو دعوت دیا دے کر جھلملاتے ہوئے ننھے تاروں کی طرح سیاہ بادلوں کے ٹکڑے میں غائب ہو جاتا۔

کچھ دنوں کے بعد جب ملاقات کا سلسلہ وسیع ہوا میں اور میری بیوی کبھی کبھی اُس کی بےکسی و بیچارگی سے متاثر ہو کر چند تحفے تحائف بھیجا کرتے۔ میری بیوی رقص و سرود کی محفلوں کی شائق ہے۔ اور کیوں نہ ہو —— ابھی جوان ہے، جوانی کی نئی نئی اُمنگیں اُس کی جوان رگوں میں اس طرح چھلک رہی ہیں جیسے صراحی میں شراب کی بوندیں۔ اُس کے سیاہ بال، ساغر بکف آنکھیں، ابھرے نازک ہونٹ، گلنار رخسار الغرض وہ تمام کشش اور اوصاف ہیں جو شباب پرور ماہ وشوں میں ہوا کرتے ہیں۔ وہ اکثر میری زبانی کولن برینگر کے متعلق سنتی لیکن کبھی ملاقات کی خواہش نہ کرتی —— لیکن ایک روز جب میں اور میری بیوی ٹالبوٹ روڈ کے قریب چہل قدمی کر رہے تھے کہ کولن سے نظریں چار ہوئیں اُس وقت وہ معمول سے زیادہ بشاش اور مسرور تھا جب میں نے دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرایا تو اُس چند لمحے تک میری بیوی کا ہاتھ اپنی گرفت میں رکھا پھر کہا "لاریب مجھے بے انتہا مسرت ہوئی"۔

یہ سن کر ایلس شرما سی گئی اور تنہائی میں مجھ سے بولی کہ اُس نے اسکو "عاشقِ نمار"

خیال کیا تھا۔ اب ہم ایک دوسرے سے بالکل قریب ہو چکے تھے۔ اس لئے میں اور الیس برابر کولن کی عظیم الشان عمارت میں جایا کرتے اور کمرہ کے تمام ساز و سامان کا بغور مطالعہ کیا کرتے۔ یہاں تک کہ اُس کے دراز کی اُن تمام پرانی چیزوں کو بھی دیکھتے جو اپنی زبانِ بے زبانی سے ماتم کناں تھیں!

ایک رات انہی پرانی بوسیدہ چیزوں کے درمیان مجھے ایک چھوٹا سا نفیس فراک نظر آیا۔ یہ فراک کسی بچی کا تھا۔ جسے نہایت ہی احتیاط کے ساتھ ہمارے میں رکھا گیا تھا۔ میں فراک اُس کے قریب لے کر آیا۔ اُس وقت وہ شراب کے چند جرعے چڑھا رہا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُس سے پوچھا ــــ "یہ کیا ہے مسٹر کولن؟"

لیکن اُس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک ٹک اُسی فراک کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی بھاری بھاری آنکھیں ایک نقطہ پر جم گئیں۔ معاً اُس کی اونچی کشادہ پیشانی پر حیرت و تعجب کی چند شکنیں کھنچ گئیں۔ اُس نے پہلے میری طرف دیکھا پھر فراک کو۔ میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھکر کہا "مجھے افسوس ہے مسٹر کولن! شاید اس فراک کے پیچھے کوئی داستان پوشیدہ ہے۔ معاف کیجئے!" لیکن فوراً اُس نے میرے بازو کو اپنی گرفت میں لے کر کہا! "نہیں نہیں ایسا نہ کہو دوست! ہاں اس کے پیچھے ایک طویل داستان انگڑائیاں لے رہی ہے طویل داستان! اور میں ایک دن تم سے

سب کچھ من وعن بیان کردوں گا ــــ لیکن آج رات نہیں ـــــ آج رات نہیں!"

وہ کھڑا ہوگیا اور خاموشی سے کمرہ کا طواف کرنے لگا۔ پھر یکایک میری طرف مخاطب ہوا اور میرے شانے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا "دوست! کل آنا ضرور! ڈنر ہیں۔ تنہا نہیں ایلیس کے ساتھ۔ ٹھیک ساڑھے سات بجے اس وقت اس فراک کی عجیب وغریب داستان کی تصویریں تمہاری نگاہوں کے پردے پر کھینچ دونگا۔"

جب میں گھر آیا اور ایلیس سے سب کچھ بیان کیا وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کی خوشی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دوسرے دن اُسے "محفلِ رقص وسرود" میں حاضر ہونا نہایت ضروری تھا۔ لیکن اُس نے وہاں جانا ملتوی کردیا۔ اور میرے ساتھ کولن کے مکان جانے پر تیار ہوگئی۔ لیکن نہ جانے کیوں میں اُس کے ساتھ جانے سے خوف کھانے لگا۔ شاید اس لئے کہ میری بیوی نازو نعم کی گود میں پلی ہے، اُس کے خیالات میں عیش وعشرت کی شہنائیاں بجتی ہیں۔ وہ ہمیشہ عالی شان پارٹی یا ضیافت میں جانے کی عادی ہے۔ بھلا کولن ایک مجبور اور بیکس انسان اُس کی خاطر ومدارات کیسے کرسکتا ہے۔ اس لئے میں نے ایلیس سے کہا کہ وہ رنگین اور قیمتی لباس کی بجائے معمولی لباس زیب تن کرے۔ مگر میری بات رد کردی گئی۔ اُس نے موتی میں ٹکے ہوئے گون سے اپنے کو آراستہ کیا۔ بہرحال ہم دونوں کولن کے مکان کی طرف

روانہ ہوئے۔ جونہی پہنچے تو میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کیونکہ کولن بھی نہایت ہی نہایت ہی نفیس شام کے لباس میں ملبوس تھا۔ کمرہ کی دوسری جانب بجلی کا قمقمہ روشن تھا۔ جس کی خیرہ کن روشنی چاندنی رات کا منظر پیش کر رہی تھی۔ لیکن میں بار بار کولن اور ایلیس کے بیش بہا اور زرق برق لباس کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک ہی دنیا کے معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن میں؟ میری دُنیا کچھ اور ہی تھی ——!

آج کولن اپنے بہترین موڈ میں تھا اور ایلیس بھی اُس کی گفتگو میں غیر معمولی دلچسپی لے رہی تھی۔ اگرچہ کولن مجھ سے عمر میں بہت زیادہ بڑا تھا۔ تاہم مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں دونوں سے عمر میں بڑھ گیا ہوں۔ ایلیس کی نُقرئی مُسکراہٹ، اُس کی شیریں بات آج مجھے تلخ معلوم ہو رہی تھیں۔ آخر اس ڈنر کا مطلب کیا ہے؟ کولن آج اتنا مسرور کیوں ہے؟ اور پھر ایلیس کی دلچسپی معمول سے زیادہ کیوں تجاوز کر چکی ہے؟ میں شکوک و شبہات کے عمیق سمندر میں ڈوب گیا تھا!

ضیافت کے خاتمہ پر ایک بوڑھی اور لاغر عورت ہاتھ میں چاندی کے ٹرے لے کر آئی جس میں شراب کے چار گلاس قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔

"مجھے یقین ہے" کولن نے کہا "آپ لوگ شراب سے ضرور شوق رکھتے ہونگے یہ میرے ایک دوست کا نفیس عطیہ ہے —— ایک دوست جس نے

اپنی زندگی مختلف طریقے سے بسر کی۔لیکن آہ! آج وہ ہم سے بہت دور پیوند خاک ہے۔" یہ کہہ کر وہ کہنی کے بل بیٹھ گیا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور میری بیوی نے ذرا شرمیلے لہجہ میں کہا۔ "ہمیں معاف رکھئے مسٹر کولن۔ آپ ہی نوش کیجئے۔ اور ہاں ابھی تو آپ فراک کی داستان دُہرانے والے ہیں۔"

اُس نے اپنی بلوریں آنکھیں اُٹھا کر ایلس کی محجوب پلکوں کو دیکھا اور پھر اپنے لمبے بازو میز پر پھیلاتے ہوئے کہا۔ "میری التجا رد نہ کیجئے خاتون صرف ایک قطرہ میرے مرحوم دوست کی یاد میں۔"

اُس کی اس التجا پر ہم انکار نہ کر سکے اور چند جرعے چڑھا لئے۔ شراب نہایت ہی شیریں تھی۔ مسٹر کولن کی اُنگلیاں شراب ڈالتے وقت نہ جانے کیوں کانپ اُٹھی تھیں۔ اُس نے کئی جرعے متواتر چڑھائے اور جب آنکھوں کے ڈورے بالکل سُرخ ہو گئے۔ وہ اُٹھا اور میری بیوی کا بازو پکڑ کر آرام کرسی کی طرف لے گیا۔ ایلس نے بیٹھتے ہوئے کہا "دیکھوں تو فراک مسٹر کولن!" یہ سُن کر کولن کی نگاہیں جھک گئیں اور سیدھا ہال کی طرف گیا۔ واپسی پر اُس کے ہاتھ میں وہی فراک تھا۔ اُس نے بڑی احتیاط سے کرسی کی پُشت پر پھیلا دیا۔

"اوہ! کتنا نفیس ہے!" میری بیوی فرطِ مسرت سے بولی۔

چند لمحے تک کولن سر پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا اور ہم لوگ خاموش رہے۔

کوآن کے سر کے لمبے لمبے بال دوش بِ فضا پر اس طرح لہرا رہے تھے جیسے کوئی کالا ناگ غصہ میں پھن پھنکارے بڑی تیزی سے انتقام لینے جا رہا ہے۔

"یہ داستان اُس وقت کی ہے۔" اس نے کہنا شروع کیا "جب شاید تم بالکل بچے تھے اور شاید تم لوگوں نے چارلس کارسائر کمپنی کا نام بھی نہیں سُنا ہوگا۔ یہ کمپنی اپنے وقت کی بہت ہی مشہور و معروف فلم کمپنی تھی ——

اُس کی شرربار آنکھیں میری طرف گھور رہی تھیں۔ جیسے وہ مجھے چیلنج دے رہی ہوں۔ پھر مخاطب ہوا۔ "اس کمپنی میں مختلف اداکار تھے۔ طربیہ، المیہ غرض ہر ڈرامے کے لئے ہر اداکار۔ ہم لوگ اپنی اداکاری ہر شب تبدیل کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک تقریب کے موقع پر میں اور ٹیری او بین نے اوتھیلو اور یاگو کے پارٹ سے شائقین کو مسلسل دو ہفتہ تک گرویدہ کرتے رہے۔ آہ غریب ٹیری! بیچارہ مظلوم ٹیری!"

یہ کہہ کر وہ رُک گیا اور اپنے ہاتھوں کا مشاہدہ کرنے لگا۔ ہم دونوں خاموش رہے۔

"جب میں تم دونوں سے یہ کہوں کہ میں اور ٹیری دوست تھے۔ تو اس دوستی کا مطلب ایک آرٹسٹ کی دوستی سے زیادہ نہ سمجھنا۔ ہمیں ایک دوسرے سے گہری محبت تھی۔ کینہ نہ تین سال تک۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ زندگی کے بھیانک اور رومان پرور دن بسر کئے۔ حسد، رشک اور بغض، عناد کی شکلیں ہم تک نہیں

آئی تھیں۔ ایک دن مکالمہ ختم کرنے کے بعد ٹیری کی گھنی پلکیں نہ جانے کیوں جھک گئیں۔ میں نے دیکھا اُس کی آنکھیں اشک ریز ہیں۔

"بیوقوف!" میں نے اُس کے شانے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ لیکن اُس نے میرے بازو کو اپنی گرفت میں لے لیا اور کہا "میں تو تمہارے لئے مغموم ہوں۔ سوچ رہا تھا تم کیسے ہو——؟ آہ! بیتے ہوئے دنوں کی یاد!"

اُس نے لمبی لمبی سفید انگلیوں کو کھینچ کر دیکھنا شروع کیا۔ پھر میری بیوی کی طرف مخاطب ہو کر گویا ہوا "اے خاتون! میں تم سے جو کچھ کہوں گا اُسے بغور سننا۔ آج سے چالیس سال قبل جب میں بچہ تھا۔ اُس وقت محبّت کا مفہوم بالکل جدا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں محبّت نفس پرستی اور خود غرضی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ ہر شخص قربانی سے دامن کشی کرتا ہے اور خطرہ سے اپنے کو دور رکھتا ہے۔ پر آہ! جب مجھے ٹیری کی اور اپنی محبّت کی یاد آتی تو دل کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھیں ساون بھادوں بن جاتی ہیں۔ وہ بھی کیا محبّت تھی، خود غرضی سے بالکل پاک! یہاں تک کہ ہماری محبّت آزمائش کے اس خطرناک دور میں بھی کامیاب رہی جب ہم دونوں کی خشک زندگی میں سوفی ڈانلس نے گھنگھرو کی دلفریب جھنکار کے ساتھ قدم رکھا تھا۔"

وہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آوازیں بربط کے نازک تار کی طرح کانپ رہی تھیں

ایلس کی طرف دیکھ کر اُس نے پھر کہا۔ "وہ بھی زیادہ حسین تھی۔ بالکل گلاب کی کنواری کلیوں کی طرح اور حد سے زیادہ شوقین تھی جیسی تم! ایک دن جب وہ ہماری نظروں کے سامنے تھی میں اور ٹیری ایک دوسرے کو اس طرح للچائی ہوئی نگاہوں سے گھور رہے تھے جیسے شیر شکاری کو پاکر گھورتا ہے لیکن ہم لوگ خاموش تھے۔ میرے ذہن و فکر میں یہ حقیقت روشن ہو چکی تھی کہ ٹیری کے احساسات میں مس وائلس نے اپنا گھر بنا لیا ہے۔ وہ اُسکی محبّت میں دیوانہ تھا، مجنوں یا پاگل۔ کاش مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ اُس کی شرابی اور سیمگوں آنکھوں میں بس چکا ہے تو میں ضرور مس سوفی وائلس کے قریب جاتا اور یہ کہتا۔ "سوفی میری محبّت! آسمانی حور! مجھے تم سے محبّت ہے، میں تمہیں چاہتا ہوں۔ اگر باور نہ ہو تو تم میری محبّت آزما سکتی ہو۔ کیا تم مجھے اپنی آغوشِ محبّت میں پناہ دوگی؟" لیکن مجھ میں یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جبکہ میں سب کچھ جانتا تھا۔ دو ماہ اسی طرح گزر گئے۔ مکمل دو ماہ! لیکن اس دوران میں ہم میں سے کسی نے بھی سوفی کے سامنے اپنی محبّت کا اظہار نہیں کیا۔ میری قوّتِ برداشت زائل ہو چکی تھی۔ اب میں قابو سے بالکل باہر ہو چکا تھا ایک دن میں نے دیکھا کہ ٹیری ترچھی نگاہوں سے سوفی کے کافر شباب کا طواف کر رہا ہے۔ اس منظر سے مجبور ہو کر میں نے آہستہ سے اُس کے کان میں کہا۔ احمق! اُس کے نزدیک جاؤ اور اپنی محبّت کا اظہار کردو۔ کیا حُسن پایا ہے

ظالم نے"۔ اور جواباً اُس نے کہا "سچ کہتے ہو دوست! جُدائی کی آگ میں آخر کب تک جلتا بھُنتا رہوں گا۔ سنو جب سنو ختم ہو جائے مجھ سے فوراً ملاقات کرو"۔
مسٹر کولن کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔ وہ اپنی کرسی کھینچکر میری بیوی کے قریب تر ہو گیا اور بولا ۔۔ "رات کو شو ختم ہونے کے بعد حسب وعدہ میں اُس کے پاس گیا لیکن میں ملاقات کا واقعہ بیان کرنے سے قاصر ہوں کاش میں گنگ ہو جاؤ۔ میری قوّت گویائی سلب ہو جائے۔ وہ وقت ہم دونوں کے لیے بہت زیادہ کٹھن اور دشوار تھا کیونکہ دونوں اُس کی محبت فتح کرنے میں کوشاں تھے۔ قصہ مختصر ہم نے شطرنج کی بازی لگائی اور کھیلنا شروع کیا۔ چند لمحے گزر جانے کے بعد ہماری بازی سے ظاہر تھا کہ ایک دوسرے کو شکست دینے کے لئے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں ۔۔ "ٹھیرو" میں نے ۔ "ہم دو کے سوا کوئی تیسرا فرد نہیں ہے۔ پھر ہمارا فیصلہ کون کرے گا" یہ کہہ کر میں اُٹھ گیا۔ کمرے کے گوشہ میں ایک گلدستہ تھا۔ میں نے سب سے زیادہ کھلے ہوئے پھول کو نوچ لیا اور ہیری سے مخاطب ہوا۔ "سنو اگر اس پھول میں بے جوڑ پنکھڑی نظر آئے تو شوتی تمہاری ہے۔ اور اگر بے جوڑ نہ ہو تو میں اس سے شادی کروں گا" وہ راضی ہو گیا۔ آہستہ آہستہ لیکن بڑی ہوشیاری سے میں نے ایک پنکھڑی کو دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ پھول کی جان نکل گئی۔ تعداد میں اٹھاون پنکھڑیاں نظر آئیں۔ یہ دیکھ کر ہیری کا چہرہ سفید ہو گیا اور آنکھیں جھک گئیں

میں نے اُسے آرام کرسی پر بڑی مشکل سے بٹھایا۔ اُس وقت صبح ہو چکی تھی۔ طیور آشیانے سے نکل کر نغمہ سرائی کر رہے تھے۔ اور اِکّے دُکّے مضمحل تارے بڑی تیز گامی سے قبر کی جانب جا رہے تھے۔ یدکولن کی نگاہیں چلمن کی جانب مُڑ گئیں صبح کا حیرت انگیز واقعہ اب تک اُس کے حافظہ میں تازہ تھا۔

"نئی صبح میرے لئے پیغام مسرّت لیکر طلوع ہوئی۔ لیکن میرے دوست کے لئے کتنی تاریک اور ہولناک تھی۔ میری رگوں میں شراب و شباب کی راگنیاں رقص کر رہی تھیں۔ میں فرطِ مسرت میں دیوانہ سا ہو گیا تھا۔ لیکن آہ! وہ غریب ٹیری! حضرت محمدؐ نے اس موقع کے لئے کتنی جامع اور ٹھوس بات کہی ہے کہ "عورتوں کے ساتھ زندگی مدوجزر کی حیثیت رکھتی ہے" بہرحال اس صبح کے گیارہ بجے میں صوفی کی شرابی آنکھوں کا متوالا ہو گیا۔ اس وقت اُس کے حُسن و جمال میں غضب کا نکھار تھا۔۔ میں نے اُس کے سامنے دست بستہ دوماہ کے جذبات کی پوری تصویر کھینچ دی"!

اُس کے لمبے لمبے ہاتھ شراب سے بھرے ہوئے گلاس کی طرف بڑھے اور پھر حلق میں اُنڈیلتے ہوئے کہنا شروع کیا" لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ اُس انکار کے پس منظر شاید اقرار کی شمع روشن تھی۔ کیونکہ اُس کے چہرہ کے خدوخال سے نقرئی تبسّم کی صاف جھلک عیاں تھی۔ اُس کی اس بے رُخی

سے میری جرأت بیباک میں برف کی تہیں جم گئیں اور میں بالکل نڈھال ہو گیا۔ یہ ایک نفسیاتی اصول ہے کہ جب کوئی دوشیزہ کسی نوجوان مرد کی محبت کو ٹھکرا دیتی ہے اس وقت اس کی زندگی خود اس کے ہاتھوں خطرات کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ یہی حال میرا تھا۔ وہ مجھے چاہتی تھی۔ لیکن یہ چاہت محبت سے بعید تھی۔ بہرحال میں عالم یاس و سراسیمگی میں ٹیری کے پاس گیا۔ اور کہا۔ "دوست اب تمہاری باری ہے۔ میں نے اپنا کام کر لیا۔" میرے کہنے سننے پر وہ راضی ہو گیا۔ کہنے کو تو میں نے کہا۔ یا لیکن انجام سے غافل تھا ایک ہفتہ کے بعد ٹیری میرے پاس آیا اور بولا "عجیب بات ہے میں اس کا خیال سمجھنے سے قاصر ہوں۔ وہ مجھے چاہتی ضرور ہے لیکن اس چاہت میں محبت نہیں۔" ٹیری کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ ہم دونوں کی پوزیشن ایک ہی ہے۔ اس لئے ہم نے سوفی کی محبت فتح کرنے کے لئے اعلانیہ کھلی جنگ شروع کر دی۔ اس کشمکش کو تین ماہ گزرے تھے کہ مجھے ٹیری کو کامیابی کی خبر ملی وہ اس کی نگاہوں میں سمایا جا رہا تھا۔ لیکن اچانک —"

سلسلۂ کلام کو منقطع کرتے ہوئے اس نے اپنے لمبے بال کو درست کیا۔ پھر گویا ہوا۔ "اچانک ٹیری کو خبر ملی کہ آسٹریلیا میں اس کے حقیقی چچا کی موت واقع ہو گئی ہے۔ اس کا چچا کروڑپتی تھا۔ سونے اور چاندی کا مالک! ٹیری کے قبضہ میں ساری جائداد آ گئی کیونکہ اس کے چچا کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس خبر کو سنکر تمام دوست

احباب نے ٹیری کو مبارکباد دی لیکن سوفی ...... ؟"

بوڑھے نے میری بیوی کی طرف نگاہ دوڑائی اور ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے بولا۔" میں نے متعدد عورتوں سے دوستی کی ہے لیکن ان کے باطنی سازِ سے ہمیشہ قاصر رہا۔ معلوم نہیں کیوں؟ سوفی نے ٹیری کی شریک حیات بننے سے قطعی انکار کر دیا۔ اُس کا خیال تھا لوگ یہی رائے قائم کریں گے کہ دولت کی طمع میں آکر ٹیری سے شادی کی ہے۔ اس انکار سے ٹیری کی کیا حالت ہوئی تھی بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ میرا تھکا ہوا دماغ اس المناک واقعہ کو دہرا نہیں سکتا ہے لیکن میں اس حقیقت کو بھی بھلا نہیں سکتا کہ گردش قسمت نے ٹیری کے مقصد حیات کو کچل ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد جب ہم دونوں لندن آئے وہ بہت زیادہ خراج بن چکا تھا۔ اُس نے شراب کے جرعے پر جرعے چڑھانا شروع کر دئے، جوئے کا آغاز کیا۔ اور بالکل پست انسان کی زندگی بسر کرنے کی ٹھان لی محض اس لئے کہ سوفی نے اس کی سنہری تمناؤں کا خون کر ڈالا تھا۔ موسم بہار میں اُس نے ایک عالی شان عمارت کرایہ پر لے لی۔ اب کیا تھا شہر کے سارے بے فکرے، غنڈے، بدمعاش اور لٹیرے یہیں آکر جمتے۔ اسی دوران میں وہ ایک حسینہ انابل کاک کا گرویدہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ اُس کی شادی ہوگئی اور دوسرے ہی سال ایک ننھی عالم وجود میں ہمکتی نظر آئی "۔

ڈراما اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا اور میری بیوی اس بوڑھے ایکٹر کے سُرخ چہرے پر بدستور نگاہیں جمائے تھی۔ اُس نے پھر کہنا شروع کیا ”اب میری آنکھوں نے ایک نئی چیز کا مشاہدہ کیا۔ سوفی جس نے پیٹرتی سے محض اس لئے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ کثیر جائداد کا مالک ہے لیکن نہ جانے کیوں اُس کی بچّی سے اُس کو گہری محبت ہو گئی تھی۔ شاید تمہیں یقین نہ ہو کہ میں اپنی زندگی کے دس سال تک سوفی کے قیامت خیز حسن و جمال کا شیدائی رہا۔ اور سوفی پیٹری کی بچّی کی غلام بنی رہی۔ میں نے اُس کے ساتھ مختلف طریقے سے محبت کا اظہار کیا، اُس کی تعریف و توصیف کے پُل باندھ دئے۔ فلموں میں بہترین سے بہترین ایکٹنگ کے لئے اُس کو انتخاب کیا لیکن مجھے اس کا معبدل کیا ملا؟ اُس نے میرے ساتھ محض ایک بچّے کی طرح سلوک کیا۔ کیونکہ اُس کی محبت صرف ایک نقطہ پر آ کر جم گئی تھی۔ اور وہ تھی پیٹری کی بچّی۔ اس کے لئے اُس نے مختلف قسم کے کھلونے خریدنا شروع کئے اور گوناگوں قیمتی لباس کی تیاری ہونے لگی۔ کاش تمہیں یقین آ جائے۔“

میرے تعجّب کی انتہا نہ رہی جب میری بیوی نے پہلی مرتبہ اُس کے سوال کے جواب میں کہا ”کیوں نہیں!“ یہ سُنکر بوڑھے ایکٹر نے اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

”میرا مشاہدہ اور تجربہ غلط نہ ہو تو میں کہوں گا کہ مرد اور عورت کے تمام الجھیں

مرد ہی نقصان اُٹھاتا ہے۔ عورتوں کے جذبات اور شعور کی دنیا عجیب و غریب ہوتی ہے۔ زندگی کے ہر پہلو سے وہ مسلح ہوتی ہے۔ اُس کے ذرائع لامحدود ہوتے ہیں۔ سوفی نے اناابل کے ساتھ دست محبت بڑھایا۔ اُس نے بھی محبت کا جواب محبت سے دیا۔ سوفی اُسے محبت نامے لکھا کرتی اور "عزیز ترین دوست" سے مخاطب کرتی۔ اِس سلسلہ میں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ شادی کے دو سال بعد ٹیری کی حالت بڑی سرعت سے بدلنے لگی۔ وہ روز بروز نحیف اور لاغر ہوتا گیا۔ ایک رات طبیعت کی ناسازی کے باعث یکایک نیند سے جاگ اُٹھا اور اُس کے ہاتھ اُسی صندوق میں لپکے جہاں وہ برانڈی کی بوتل رکھا کرتا تھا۔ اُس نے تیزی سے ایک گھونٹ چڑھایا۔ لیکن یہ شراب نہیں تھی۔ اس بوتل میں اناابل کے فوٹو بنانے کا
تھا۔ پیتے ہی پلنگ سے کود کر سڑک کی طرف حالتِ دیوانگی میں بھاگا اور ایک پولیس مین کے ہاتھ میں اُس کی روح نکل گئی۔"

اس دہشتناک واقعہ کا پورا منظر جیسے بوڑھے ایکٹر کی پیشانی پہ تحریر تھا۔ اُس نے اِس عجیب و غریب داستان کو کچھ اس طرح ڈرامائی انداز سے بیان کیا جیسے اُس کے حافظہ پر اب تک تازہ ہے۔ میں نے ایلس کی طرف دیکھا اُس کی آنکھوں کی پتلیوں میں آنسوؤں کے دو سیال آتشیں جھلملا رہے تھے۔ بوڑھے ایکٹر نے پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میری زندگی کے یہ سال

بہت کٹھن اور پُر محن تھے ۔ میرے پُرانے دوست ٹول نے لندن میں اداکاری کی غرض سے مجھے آنے کی دعوت دی ۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا۔ "کوکن ! آخر تم اپنی زندگی کے سُنہرے ایّام اس طرح گوشہ نشین ہو کر کیوں ضائع کر رہے ہو ۔ شہر چلو اور گرمجوشی سے فلم میں حصّہ لو ۔" میں نے صرف اُس کے ہاتھ کو دبایا اور شکریہ ادا کیا ۔ ہفتہ یا دو ہفتہ کے بعد سوفی کے ساتھ میں نے پھر سلسلۂ محبّت قائم کیا ۔ لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا سوفی ٹیری کی بچّی سے بے انتہا دلچسپی لے رہی تھی ۔ انابل بھی اپنی بچّی کے لئے اچھے اچھے کھلونے مول لیتی ۔ عمدہ سے عمدہ لباس تیار کرتی اور کبھی تو جھنجھلا کر اس کو دو تھپڑ بھی لگا دیتی ۔۔۔ سوفی ایسی حرکت کبھی برداشت نہیں کرسکتی تھی ۔ اس لئے مختلف قسم کے مذاق اور ہنسی سے انابل کا دل بہلایا کرتی ۔ وقت گزرتا گیا اور چھوٹی بچّی جس کا نام لوسی تھا ایک دن جوان ہوگئی ۔ تاہم سوفی اُس کے لئے خوبصورت سے خوبصورت فراک بنانے میں منہمک رہتی ۔ بچّی بہت زیادہ حسین تھی ۔ بالکل اپنی ماں کا عکس ۔ اس کے خیالات بالکل آزاد تھے ۔ وہ بڑی بوڑھیوں کی جماعت میں بیٹھ کر اُن کی باتیں سنتی اور کبھی کبھی شہر کے منچلے نوجوانوں سے دل لگی کرتی دکھائی دیتی تھی ۔ جب انابل کو معلوم ہوتا اُسے کمرہ میں مقفّل کر دیتی ۔"

"سوفی ، لوسی پر پہلے سے زیادہ مہربان تھی اور لوسی بھی اس سے انتہائی محبّت رکھتی تھی ۔ سوفی جہاں بھی ہوتی اُسے خط ضرور لکھتی اور مختلف قسم کے تحائف

بھی بھیجا کرتی"۔

بوڑھے ایکٹر کی پیشانی فرشِ زمین پر جھک گئی۔ شاید گزشتہ باتوں کی یاد اُس کے دماغ میں ہنگامہ بپا کر رہی ہو۔ پھر وہ کرسی سے اُٹھا اور میز کی طرف آیا۔ اُس نے گلاس میں پانی اُنڈیل لیا پھر رم کے چند قطرے شامل کئے اور اُسے گھونٹ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے ہماری موجودگی کی کوئی خبر نہیں اور ماضی کی ویرانیوں میں رواں دواں ہے لیکن یکایک وہ میری بیوی کی طرف مخاطب ہوا۔ اور بولا ——— "سوفی نے لوسی کے جتنے فراک تیار کئے تھے سب میرے پاس موجود ہیں۔ اگر تم سہ پہر کو آنے کی تکلیف گوارا کرو تو میں اُن میں سے چند فراک تمہارے سامنے رکھ دوں شاید تم ان سے دلچسپی لے سکو" بوڑھے ایکٹر کی آواز میں عجیب قسم کی اپیل شامل تھی اور وہ الیس کی طرف برابر دیکھ رہا تھا تاکہ وہ ہاں کہہ دے لیکن الیس نے کچھ نہیں کہا۔ صرف اُس کی آنکھیں کو کسی کو گھور رہی تھیں۔

"فراک! اُف! اُس کی داستان میری زندگی سے کس طرح منطبق ہو گئی ہے۔ سوفی سوئی تاگے میں بہت ہوشیار تھی۔ کیوں نہ ہو اُسے تھیٹریکل تجربہ بہت زیادہ تھا۔ اُس نے ایک دفعہ نہایت ہی جاذبِ نظر اور کشش انگیز فراک تیار کیا۔ بچی لوسی نے اس کو بہت زیادہ پسند کیا اور انہی فراکوں میں سے ایک فراک کی کہانی نے میری زندگی کو برباد کر دیا ہے۔ کاش میں اس دلدوز واقعہ

خوفناک واقعہ کو بیان کر سکوں۔"

وہ چند لمحے کے لئے رُک گیا۔ پھر کہنے لگا ــــ "گزشتہ سال۔ ہاں اُسی سال جب لوسی کی دسویں سال گرہ منائی جانے والی تھی۔ انابل نے لوسی کو ایک شرابی اور بدمعاش کے حوالہ کر دیا جس کا نام لارڈ اسٹاربرد تھا۔ بچی کو رقص و سرود کی تعلیم دی جانے لگی۔ انابل کے مکان کے قریب ہی ایک رئیس آرک رٹنر نامی خاندان تھا۔ جس کی تمام بچیاں بھی بعینہٖ اُسی قسم کی زندگی بسر کرنے کی عادی تھیں۔ یہ بچیاں لوسی کی ہمجولی اور دوست تھیں۔ بچیوں کے والدین فیشن پرست واقع ہوئے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ اپنی بچیوں کو روزانہ حسین اور خوبصورت لباس سے مزین کرتے تاکہ دوسری لڑکیاں مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر میرا دل اندر ہی اندر کڑھتا تھا۔"

"انہی دنوں سوفی اور میں کسی ضرورت کے ماتحت طویل سفر کر رہے تھے شمالی ممالک کا سفر تھا۔ ہوائیں حد درجہ ٹھنڈک تھی۔ دسمبر کے اوائل میں سوفی کو شدید زکام ہو گیا۔ بڑھتے بڑھتے زکام ذات الریہ میں تبدیل ہو گیا لیکن خوش قسمتی سے اس موذی مرض سے اُس نے نجات حاصل کر لی۔ اب وہ واپس جانے کے لئے مصر ہو گئی۔ ہمارا یہ سفر کرسمس کی شام کو ختم ہونے والا تھا۔ ایک دن اُسے لوسی کا خط ملا۔ ابتک مجھے خط کے اصل الفاظ یاد ہیں۔ لکھا تھا۔

ڈیر انٹ سوفی!

کرسمس کی شام کے لئے ایک نفیس فراک تیار کر کے بھیج دیجئے۔ آرک رٹز کی لڑکیاں اور خصوصاً آئرن کا نقاب طلائی اور زمردی ہیرے سے ٹکا ہوگا۔

آپکی عزیزہ - لوسی

"جب سوفی نے اس خط کو پڑھا اس کے گلابی رخسار نقرئی تبسم سے دمک اُٹھے۔ وہ بہت خوش تھی اور عموماً جب لوسی کا کوئی کام کرتی اُسے نہ معلوم کیوں غیرفانی خوشی محسوس ہوتی۔ تقریباً ایک ہفتہ تک اس نے صرف اس فراک کے متعلق خیال آرائیاں کیں جسے آرک رٹز کی پارٹی میں لوسی کو زیب تن کرنا تھا۔ سوفی ایسا فراک تیار کرنا چاہتی تھی جو تمام لڑکیوں کے فراک سے سبقت لے جائے ــ چند دنوں بعد میں لوسی کی فرمائش بالکل بھول چکا تھا۔ لیکن ایک رات سوفی نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہی میرا بازو پکڑ لیا اور کہا۔ "تمہیں معلوم ہے، معلوم ہے تمہیں مجھے کیا کرنا ہے، مجھے لوسی کے لئے نہایت حسین فراک تیار کرنا ہے جو سب پر فوقیت لے جائے گا۔ اور یہ فراک تمام آرائش سے مبرا ہوگا ـــ بالکل سفید، معمولی! مجھے یقین ہے ساری آنکھیں دیکھکر محوِ حیرت ہو جائینگی۔ وہ نظارہ کتنا فرحت بخش اور جاذبِ نظر ہوگا جب زرق برق لباس کے درمیان صرف ایک سفید اور معمولی فراک اپنی پوری کشش کے ساتھ نمودار ہوگا۔ لوسی اسے دیکھ کر سوچے گی آخر اس سادگی کا مطلب کیا ہے۔"

میں نے سوفی کے خیال کی تائید کی اور فوراً اُس کے ساتھ بازار سے فراک کا

ساماں لانے گیا۔ جونہی ہم دکان پر پہنچے۔ سوفی بیہوش ہوگئی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ سوفی کی صحت رفتہ رفتہ زائل ہوتی جارہی ہے۔ لیکن وہ لوسی کے فراک کی تیاری میں اپنے کو بھلا چکی تھی؛

ہم لوگ نوٹنگھام سے ٹھیک کرسمس کی پانچ بجے شام کو لندن واپس آئے سوفی کی حالت نازک ہوچکی تھی، چہرہ زرد ہوگیا تھا۔ آنکھیں فطری طور پر روشن تھیں اور اس کی انگلیاں ابتک فراک کی تیاری میں مصروف کار تھیں۔ میں میں سوفی کی مصروفیت میں اسقدر منہمک تھا کہ شہر میں قیام کرنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کرسکا۔ اور نہ اسے خود ہی اس بات کا خیال تھا۔ لیکن میرے پرانے دوست گیجرز نے ہماری ان مشکلات کو دیکھ کر کہا "میں تمہارا سب انتظام کیے دیتا ہوں"۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرطِ مسرت میں گلے لگا لیا۔ گیجرز نے ہماری رہائش کا انتظام کلافم کے قریب وجوار میں کردیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے سوفی کو پلنگ پر لٹا دیا۔ اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی۔ لیکن اب تک فراک پائے تکمیل کو نہیں پہنچا تھا۔ میں صرف اس کی متحرک انگلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ فضا گہر آلود ہوچکی تھی"۔

کولن یہ کہہ کر کھڑا ہوگیا اور میز پر رکھے ہوئے فراک کو اپنی مٹھیوں سے دبانا شروع کیا۔ اس کی آواز میں بھاری پن تھا۔

"سات بجنے میں دس منٹ باقی تھے کہ میں فراک لے کر مکان سے باہر

نکلا۔ بغیر کوٹ اور ہیٹ پہنے میں لوسی کے گھر کی طرف بھاگا۔ راستہ میں پاگلوں کی طرح گاڑی والے کو آواز دینے لگا۔ گاڑی آئی اور میں بیٹھ گیا۔ گاڑی پوری رفتار سے چلنی شروع ہوئی۔ منزل پر پہنچتے ہی میں اُتر گیا اور دیوانہ وار گھر کی جانب پکارتے ہوئے جھپٹا۔ "لوسی! لوسی!!" اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں تھی چہرہ قدآدم آئینہ کی طرف تھا۔ نہایت قیمتی اور جاذب نظر لباس میں ملبوس تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چلا اُٹھی ــــ "ہیلو! میں نے سمجھا تھا سوفی چچی مجھے مطلق بھول گئی ہیں۔ دیکھئے نا یہ لباس میں نے کرایہ پر کہا ہے"

"لوسی!" میں نے عالمِ پریشانی میں کہا "تمہاری چچی نے اس فراک کو اپنے خونِ جگر سے تیار کیا ہے۔ دیکھو!"

یہ دیکھ کر وہ میری طرف لپکی ــــ "اوہ فراک! مگر یہ تو نائٹ ڈریس سے ملتا جلتا ہے۔ مجھے مطلق پسند نہیں" اور یہ کہہ کر اُس نے غصّہ سے کمرہ کے باہر پھینک دیا۔ میری آنکھیں غیظ و غضب سے سُرخ ہوگئیں۔ اور دل چاہتا تھا کہ لوسی کو اُٹھا کر دُور پھینک دوں۔ غصّہ نے مجھے بالکل اندھا بنا دیا تھا لیکن ایک خیال سے میں نے اپنے آپ کو سنبھالا کہ وہ میرے مرحوم دوست کی یادگار ہے۔ بہرکیف میں نے فراک اُٹھا لیا اور اتنا کہا ــــ "محسن کش لڑکی! نہیں جانتی تیری یہ حرکت کس درجہ قابلِ نفرت ہے۔ تو نے ایک آئیڈیل کی گردن پر چھری پھیر دی۔ اپنی چچی کی تمنّاؤں کو خاک میں ملا دیا" فراک لے کر باہر نکل آیا ــــ

رات اندھیری تھی اور شبنم کے ننھے ننھے قطرے گر رہے تھے۔ کرسمس کی متعدد گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئی تھیں اور میرا دل سینے میں مسلسل دھڑک رہا تھا صرف اس خیال سے کہ سوفی کے کانوں تک یہ خبر کس طرح پہنچاؤں گا؟ جب میں ہائڈ پارک کے کونے تک آیا یکایک دماغ میں عجیب و غریب خیالات رینگنے لگے —— میں کانپ اٹھا جسم کا رُواں رُواں خوف سے تھرتھرانے لگا۔ کیوں جانتے ہو؟ میں اپنی قیام گاہ کا پتہ بھول چکا تھا، راستے اجنبی معلوم ہو رہے تھے —— اس حالت میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ تو کیا میں پولیس کے پاس جاتا اور کہتا —— "کیا تم مجھے ایک ایکٹریس کی قیامگاہ کے پتہ معلوم کرنے میں مدد دو گے؟ مجھے مالک مکان کا نام معلوم نہیں ہے۔ شاید مکان کلاغم کے نزدیک ہے" اگر میں ایسا کہتا تو شاید وہ یہی رائے قائم کرتے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ آخر میں کیا کرتا۔ کیا سوفی کے پاس جاتا —— اس سوفی کے پاس جو موت کی راہ دیکھ رہی تھی۔ بہت ممکن ہے اس کی یہ موت سکون کی ہوتی۔ کیونکہ اُسے یقین ہو چکا ہوگا کہ یوسی نے اُس کے فراک کو قبول کر لیا ہے۔ آہ اُس کی مسرت! لیکن میں —— میری کوئی جگہ نہ تھی —— میں پاگل ہو چکا تھا، میرے حواس جواب دے چکے تھے۔ اُف!"

اُس کی گرجدار آواز ایک ضعیف ہچکی میں گم ہو گئی۔ میں اُس کے مضمحل چہرہ کا مشاہدہ کرنے کے لئے جھک گیا۔ کمرہ بالکل خاموش تھا۔ قبر کی سی خاموشی!

کمرہ میں گھڑی کے ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یکایک کسی کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور ایک بوڑھی عورت ہماری طرف آتے ہوئے دکھائی دی اور بولی —

"معاف کیجئے!" یہ سُنکر بوڑھے ایکٹر نے اُس کی طرف جھلکتی نظر ڈالی اور وہ کرسی پر ایک ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ کرسی کی دوسری جانب فراک اُسی طرح رکھا ہوا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں خواہ مخواہ آپ لوگوں کی گفتگو میں مخل ہوئی۔ بوڑھی بولی:۔

"کوئی حرج نہیں مسٹر ڈنا ڈسر۔ کیا کام ہے؟" کولن نے جواباً کہا۔

"میری چھوٹی بھتیجی ابھی ابھی آئی ہے۔ لیکن وہ فراک جسے میں نے گزشتہ ہفتہ تیار کیا تھا کہیں نظر نہیں آتا۔ میں نے اُسے شاید صندوق میں بند کر رکھا تھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے؟ اوہو! یہی تو ہے۔ شکریہ شکریہ! مجھے اپنی بیجا مداخلت پر ندامت ہے۔ معاف کیجئے!"

اور اُسی رات کو میری بیوی نے خوابگاہ میں کہا۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ نوٹو میں تحریر کئے ہوئے الفاظ ہنری اروِنگ کے ہیں؟"

"جان!" میں نے جواب دیا۔ "جب مصوّر، مصنّف، معمار اور سنگتراش

اپنے اپنے فنون لطیفہ کو حد کمال تک پہنچا دیتے ہیں — اس وقت انکی زبان سے یہ والہانہ الفاظ دوش فضا پہ بازگشت کرتے سنائی دیتے ہیں —"
"دیکھو! یہ ہمارے احساسات اور جذبات کا نتیجہ ہیں آنے والی نسلیں ہم پر فخر کریں گی"۔ لیکن ایکٹر کی کوئی یادگار باقی نہیں رہتی ہے۔ سوائے اس کے کہ حافظہ میں اس کی دھندلی جھلک رینگتی رہیگی۔ آخر حقیقت اور مجاز کا حاصل کیا ہے؟ کیا شیلی نے مجازی نغمے کو حقیقت کے پردے سے ڈھانپ نہیں دیا ہے؟ پھر حقیقت ہے کیا؟ اور ہماری یہ زندگی —؟"
"مجھے نہیں معلوم زندگی کیا ہے؟" میری بیوی نے برقی قمقمے کے بٹن کو دباتے ہوئے کہا — تم ایک محض ایک بیوقوف انسان!" "تمہارا مطلب کیا ہے الیس؟" میں نے پوچھا۔
یہ سنکر نقرئی قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا — "تم نہیں جانتے عورت زندگی کے ہر پہلو سے مسلح ہوتی ہے۔" وہ تاریکی میں انگلیاں گھماتے ہوئے بولی اور میں ایک سوالیہ نشان بنکر کمرہ کی چھت کو تاکنے لگا۔

(براہِ راست انگریزی سے)

شکاری کُتّے

نوشتہ:-
مارس لیبلانک

مترجم:-
یزدانی جالندھری

دس کا گھڑیال بجتے ہی مسٹر ہارٹ ویل نے بیئر (شراب) کا آخری
گلاس خالی کر دیا اور اخبار کو تہ کرتے ہوئے انگڑائی لے کر آہستہ سے
اُٹھ کھڑا ہوا۔

چھت سے لٹکے ہوئے لیمپ کی تیز روشنی میز کی چادر کو منور کر رہی تھی
اس پر بکھرے ہوئے کارتوسوں اور چھرّوں کا ڈھیر۔ ہارٹ ویل کے شکاری
ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔ آتشدان کے پاس اندھیرے میں ایک بڑی
آرام کرسی پر ایک حسین عورت نیم دراز تھی۔

باہر ہوا کے تیز جھونکے کواڑوں کو بار بار کھٹکھٹا رہے تھے۔ اور کبھی

اس اثنا میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی ۔ تیج کے بندھے ہوئے یہ جانور اس وقت اپنے آپ کو چھڑانے کی سخت لیکن بے فائدہ کوشش کر رہے تھے ۔

اس جنگلے میں چالیس کتے بند تھے ـــ بڑے عظیم الجثہ تقریباً تیندوے کے قد کے ۔ بڑے بڑے نوکیلے دانت تار کی طرح سخت بال اور پھر ایسے تند خو کہ شکار کے وقت خوفناک جوش سے سؤر پر بھی ٹوٹ پڑتے تھے اور پھاڑ کر کھا جاتے تھے ۔ رات کے وقت ان کا "دہاڑنا" گرد و نواح کے سونے والوں کو جگا دینے کے لئے کافی تھا ۔ ہمسایوں کی نیند خراب کر دیتا تھا ۔ آس پاس کے کتے بھی ان کے ہمنوا ہو کر بھونکنے لگتے تھے اور آسمان سر پر اُٹھا لیتے تھے ۔

مسٹر ہارٹ ویل نے پردہ ہٹا کر باہر باغ میں جھانکا ۔ اندھیرے میں بھیگے ہوئے درختوں کے پتے اور ڈالیاں بجلی کی چمک کے ساتھ خود بھی تلوار کی طرح چمک اُٹھتی تھیں ۔ خزاں سے گرتے ہوئے پتے ہوا کے تھپیڑے کھا کر تڑاتڑ دیواروں سے آکر ٹکراتے تھے ۔ اور لڑکھڑاتے ہوئے نیچے گر جاتے تھے ۔ ہارٹ ویل نے مغموم سی آواز میں کہا "کیسا منحوس موسم ہے" !

جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے اُس نے کمرے میں چہل قدمی کی اور دیوار میں لگے ہوئے آتشدان کے سامنے کھڑے ہو کر لکڑی کے ایک نیم سوختہ کندے

کو ٹھوکر مار کر توڑ ڈالا۔ جلتے ہوئے سُرخ انگارے راکھ میں بکھر گئے۔ ایک شعلہ اوپر کو لپکا۔ سیدھا چھت کی طرف دیکھتا ہوا۔

مسز ہارٹ ویل بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ آگ کی روشنی اس کے چہرے کو روشن کر رہی تھی۔ بالوں کو سُنہری رنگت بخش رہی تھی۔ اس کا سایہ پیچھے دیوار پر شعلے کی موسیقی کے ساتھ رقص کر رہا تھا ـــــ خوف زدہ سا کبھی چھوٹا ہو جاتا تھا اور شعلے کے مدّھم ہونے پر بڑا ـــــ

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کتّوں نے پھر غرّانا شروع کر دیا۔ باہر کے طوفان باد و باراں کا شور و غل بھونکنے کی آواز کے ساتھ مل کر کمرے کی فضا کو اور بھی گرم اور خوفناک بنا رہا تھا۔ عورت کی موجودگی سے کمرے میں قدرے سکون کا احساس ہو رہا تھا۔

ان سب کا اثر آہستہ آہستہ مسٹر ہارٹ ویل کے دل پر ہو رہا تھا۔ باہر کی خوفناک آندھی۔ بارش اور کتّوں کی ہیبت ناک چیخ پکار سے دوری کا احساس اس وقت اُسے بیوی سے قریب تر کر رہا تھا۔ اس کے دل میں تسکین سی پیدا ہو رہی تھی۔ بیوی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے کہا۔ "دس بج گئے ہیں۔ کیا تم سونے کے لئے جا رہی ہو؟"

عورت نے کہا "ہاں" اور اس طرح کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جیسے بتاتے ہوئے افسوس محسوس کر رہی ہو۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟"

"نہیں.... شکریہ...."

منہ بنا کر اُس نے جھکتے ہوئے کہا:۔ "جیسے تمہاری مرضی!"

وہ دیوار سے کندھا ٹیکے، پاؤں پھیلائے۔ بیوی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا مست ہاتھی کی طرح جھومتی ہوئی وہ جارہی تھی —— اس وقت وہ بیحد دلکش معلوم ہوتی تھی۔ آسمانی بیوی کی مانند! زمین کو چومتا ہوا اُس کا آنچل سفید لہر کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

اس بنگلے میں وہ دونوں اکیلے ہی رہتے تھے۔ اور یہیں پر، جہاں وہ اتنی نزدیک ہوتے ہوئے بھی دور تھی۔ وہ پہلے تصور کیا کرتا تھا۔ وہ سوچا کرتا تھا کہ اس دلکش تنہا مقام پر وہ اپنی بیوی کے ساتھ سرور و محبت آمیز زندگی بسر کرے گا۔ اس کی ذرا ذرا سی تمناؤں کی تکمیل کے لئے دوڑیگا —— اور وہ اُس کی ہوگی —— اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل میں معاون ہوگی دن بھر شکار کھیلنے کے بعد جب وہ لوٹے گا۔ سردی سے ہاتھ پاؤں سُن۔ طاقتور جسم تھکا ہوا مضمحل —— ساتھ کھیتوں کی تازگی ہوگی۔ بارش سے بھیگی ہوئی زمین کی، گھوڑوں کی۔ کتوں کی، شکار کی مہک ہوگی —— اور وہ دروازے پر کھڑی مسکراکر محبت بھرے الفاظ میں اس کا استقبال کرے گی اپنے طاقتور

بازوؤں میں اس کا نرم و نازک جسم اٹھا کر وہ اس کے لبوں اور رخساروں پہ بوسوں کی بارش کرے گا۔ بارش میں تیز ہوائیں —— سردی کی جسم کو کاٹتی ہوئی ہوائیں۔ ساتھ ساتھ گھوڑوں پر گھومتے پھریں گے۔ جتے ہوئے کھیتوں میں چلیں گے —— اور دن بھر کی تکان کے بعد سنہری راتیں ہونگی عشق و محبت میں بسی ہوئی میٹھی راتیں، ہم آغوشیوں اور بوسوں کا میلہ ہوگا!

دنیائے تصورات اور حقیقی زندگی کا فرق اسے اب محسوس ہو رہا تھا۔

جب دروازہ بند ہو گیا۔ اور اس کے قدموں کی آواز بھی بند ہو گئی تو وہ اپنی خوابگاہ میں آیا۔ اور بستر پر گر کر ایک کتاب نکال کر پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بارش کا زور اور بھی بڑھ گیا۔ ہوا چمنی میں سائیں سائیں کرنے لگی۔ باہر درختوں کی شاخیں تڑاتڑ ٹوٹ کر گرنے لگیں۔ کتے اور بھی بیقرار ہو اٹھے۔ ان کے چیخنے چلانے کی آواز طوفان کے شور کو کاٹ کر تھپڑ کی طرح کانوں پر چوٹ پہنچانے لگی۔ جنگلے کا دروازہ ان کے دھکوں سے پریشان ہو کر چرچر کرنے لگتا تھا۔

وہ اٹھا اور دروازہ کھول کر چلایا:۔ "خاموش رہو!" کچھ دیر کے لئے وہ خاموش ہو گئے۔ وہ کھڑا ہو کر ان کے پھر بھونکنے کا انتظار کرنے لگا۔ ہوا کے کندھوں پر سوار پانی کی بوچھاڑ نے اس کے چہرے کو دھو کر اس کے دل تک سردی کی ایک لہر دوڑا دی۔ اس میں ایک عجیب وحشت گھر کر رہی تھی۔ کتوں نے پھر بھونکنا شروع کر دیا۔ غصے سے مٹھی بھینچ کر اس نے کھڑکی کے پٹ پر مارتے ہوئے کہا:۔

"خاموش رہو شیطانو ـــــــ!"

اس کے کانوں میں "سن سن" کی آواز آ رہی تھی۔ جیسے کوئی سیٹی بجا رہا ہو یا سر میں کوئی جھینگر بیٹھا بول رہا ہو۔ یکایک اس کے دل میں کسی کو قتل کرنے کی پرجوش خواہش پیدا ہوئی۔ وہ اپنی بیوی کے تغافل کا، موسم کی خرابی کا، کتوں کے شور کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی جاندار چیز کو کچل دے، توڑ مروڑ کر پھینک دے۔ اپنی مٹھی کے اندر کسی بدقسمت کا گوشت کانپتا ہوا محسوس کرے۔ وہ گرج کر بولا:-

"ٹھہرو بدمعاشو!" اور زور سے کھڑکی بند کر کے ہنٹر اٹھایا اور باہر چلا ـــ

دالان کے اندر سے جاتے وقت اسے سوتے ہوئے مکانوں کا خیال تک نہ تھا۔ لیکن بیوی کی خوابگاہ کے پاس آتے ہی وہ پنجوں کے بل چلنے لگا۔ مبادا آہٹ سے بیچاری کی نیند اچاٹ ہو جائے۔ لیکن دروازے کے نیچے سے نکلتی ہوئی روشنی کی ایک لکیر کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اندر سے قدموں کی دبی ہوئی آواز آ رہی تھی۔ جیسے رو کنے میں موٹا قالین بھی ناکام تھا۔ اس نے کان لگا کر سنا، آواز رک گئی اور بتی بھی بجھ گئی تھی۔ وہ بے حرکت کھڑا رہا اور شکوک سے متاثر ہو کر اس نے آہستہ سے پکارا:-

"ہماری تیریزہ۔۔۔!"

کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے پھر زور سے پکارا۔ اشتیاق اور ایک خوفناک شبہ سے جسے زبان پر لانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ وہ سانس روکے کھڑا رہا۔ پھر ذرا رُک کر اُس نے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ کسی نے اندر سے پوچھا، "کون ہے؟"

"میں ہوں ...... دروازہ کھولو"

دروازہ کھلتے ہی اندر سے خوشبو سے لدی ہوئی ہوا کا جھونکا آیا اور اُس کے چہرے پر پھیل گیا۔

بغیر کچھ کہے وہ اندر چلا گیا۔ اندھیرے میں اُس نے محسوس کیا کہ اُس کی بیوی اُس کے پاس کھڑی ہے۔ وہ اُس کی سانس اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔ اُس کے کپڑوں کا سامنے کا حصّہ اُس کے سینے کو چھو رہا تھا۔ اُس نے دیاسلائی ڈھونڈنے کے لئے جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ جب دیاسلائی نہ ملی تو اس نے حکم دیا "لیمپ جلاؤ"

سر جھکائے وہ تعمیل کرنے لگی۔ لیمپ کی روشنی میں اُس نے دیکھا کہ پردے کھینچ کر بند کر لئے گئے ہیں۔ قالین پر ایک شال پڑی ہے۔ کھلا ہوا بستر ہے ـــــ سفید اور وسیع اور کونے میں انگیٹھی کے پاس ایک آرام کرسی پر ایک شخص لیٹا ہوا ہے۔ کھلا ہوا کالر، سر پیچھے ڈھلکا ہوا اور بازو بغل میں ڈھیلے بیجان سے جھولتے ہوئے، آنکھیں بند۔ بیوی کی کلائی زور سے پکڑ کر اُس نے

کہا:- "کیوں، بے حیا! اسی لئے مجھے منع کر دیا تھا کہ ساتھ نہ آؤ! اسی لئے!!... "

وہ سہم کر پیچھے نہیں ہٹی، نہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کے زرد چہرے پر خوف کا نشان بھی نہ تھا۔ صرف سر اُٹھا کر وہ آہستہ سے بولی:- "کیوں میرا ہاتھ توڑے ڈالتے ہو؟"

اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور لیٹے ہوئے انسان کے جسم پر جھک کر مٹھی بھینچ کر چلایا:- "میری عورت کی خوابگاہ میں اس کا عاشق!... اور کون عاشق!..... جو میرا دوست ہے... بالکل چھوٹے بھائی یا بیٹے کے مانند!... بے حیا کہیں کی!!... "

وہ درمیان ہی میں بول اُٹھی:- "یہ میرا عاشق نہیں"

وہ زور سے ہنسا ــــ قہقہہ لگا کر ــــ "اوہو... ہو... تو آپ سمجھتی ہیں میں آپ کی بات پر یقین کر لونگا!"

اُس نے لیٹے ہوئے آدمی کو کالر پکڑ کر اُٹھایا۔ لیکن نیم وا ہونٹوں سے جھانکتے ہوئے دانت اور ٹمٹماتے ہوتے چہرے کو دیکھ کر اُسے اپنی اُنگلیوں میں اُس کے سرد جسم کا احساس ہونے لگا۔ گھبرا کر اس نے گرفت نرم کر دی۔ ... جسم پھر کرسی پر لڑھک گیا۔ اس کا تمام غصّہ بیوی پر اُبل پڑا۔

"تمہیں اپنی صفائی کے لئے کیا کہنا ہے؟ بولو!"

"کچھ بھی بات نہیں تھی" وہ بولی "میں سونے لگی تھی کہ باہر دالان سے

کسی کے چلنے پھرنے کی آواز آئی۔ لڑکھڑاتے ہوئے پیر تھے ۔۔۔ بیٹھ گئے ۔۔
۔۔۔ اور ایک آواز نے باہر سے عاجزانہ لہجے میں پکارا ـــــ دروازہ کھولو۔
دروازہ کھولو۔ میں سمجھی کہ تمہیں نہ جانے کیا یک کچھ ہو گیا ہے۔ دروازہ کھول دیا۔ کواڑ کھلتے
ہی وہ اندر آ گیا ۔۔۔ یا یوں کہو کہ اندر گر پڑا ـــــ میں جانتی تھی کہ اسے اختلاج
قلب کی بیماری ہے۔ اٹھا کر یہاں کرسی میں لٹا دیا۔ تمہیں بلانے ہی جا رہی تھی
کہ تم نے خود ہی دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ بس اتنی ہی سی بات تھی"
بظاہر مطمئن ہو کر اس نے پوچھا، ایک ایک لفظ تول کر: "اور تمہیں حیرت
نہیں ہوئی کہ کسی نے اسے آتے نہیں سنا؟ ۔۔۔"
"کتے بھونکے تو تھے!"
"اور اتنی رات گئے یہاں کیوں آیا؟"
اس نے کندھا ہلاتے ہوئے جواب دیا "ہاں عجب بات تو یہ ہے ۔۔۔۔
لیکن میں تو خیال کرتی ہوں کہ بے چارے کو ایک دم دورہ پڑا۔ اپنے امکان
میں بالکل اکیلا، وہاں بیچارا ڈرا ہوگا، مدد کے لئے یہاں آ گیا ۔۔۔ خیر جب ٹھیک
ہو جائے گا ۔۔۔ بولنے کے قابل ہوگا ۔۔۔ تو خود ہی سب باتیں سمجھا دیگا"
مسٹر ہارٹ ویل نے تن کر، بیوی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنا
شروع کیا: "معلوم ہوتا ہے تمہاری ہی بات ماننی پڑے گی اور اصل بات کا
کبھی بھی پتہ نہیں چل سکیگا کہ یہ آج رات کو اس وقت یہاں کیوں آیا تھا ــــ یہ

مر چکا ہے!"

مایوسانہ انداز میں ہاتھ پھیلا کر وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی:- "نہیں، نہیں! یہ نہیں ہوسکتا۔۔۔"

"ہاں بالکل ختم ہو چکا ہے بیچارہ"

وہ کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا۔ پھر نہایت سادگی اور آہستگی سے کہنے لگا۔

"خیر، اب تو جوں جوں میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں تمام بات بالکل قدرتی اور معمولی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا باپ اور چچا دونوں ایکا یک اسی طرح مر گئے تھے۔۔۔۔ تمام خاندان میں اختلاج کا عارضہ موجود ہے ــــ کئی پشتوں سے چلا آتا ہے۔۔۔۔ ذرا سا دھکا لگ جائے ذرا تیز صدمہ پہنچے۔ کسی بھی جذبہ کی زیادتی ہو جائے۔۔۔۔ کوئی خاص حسرت حاصل ہو۔۔۔۔ ہم انسان صحتمند ہونے پر بھی بہت کمزور ہیں۔۔۔۔"

اُس نے ایک آرام کرسی کھسکا کر آگ کے قریب کر لی اور بیٹھ کر ہاتھ سینکنے لگا۔

ــــ "لیکن ہمیں تمام واقعہ کتنا ہی معمولی نظر آئے اصل بات تو رہیگی ہی کہ تمہاری خوابگاہ میں رات کے وقت ایک شخص کی موت ہوگئی ہے کہ نہیں؟"

اُس نے ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ لیا لیکن کچھ بولی نہیں۔

تمہاری صفائی سے میرا اطمینان تو ہو سکتا ہے۔ لیکن میں کس کس کا منہ بند کرتا پھرونگا۔۔۔ نوکر طرح طرح کے خیالات بنائیں گے۔ تصورات باندھینگے۔

تمہاری بے عزتی ہوگی، مجھے بھی شرمندہ ہونا پڑے گا۔ تمام خاندان پر بٹہ لگیگا۔ خاندان کی ناک کٹ جائے گی..... یہ نہیں ہو سکتا... ہم کچھ کرنا چاہتے..... میں بتاتا ہوں کیا کرنا چاہئے! ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکیگا کہ اس کمرے میں کیا واقعہ پیش آیا... اسے کسی نے آتے نہیں دیکھا..... لیمپ اٹھا کر میرے ساتھ آؤ ــــ!"

اس نے لاش کو ہاتھوں میں اٹھا لیا اور حکم دیا: ـ "آگے آگے چلو"

دروازے سے باہر آکر وہ ذرا جھجکی۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" "تمہیں کوئی مطلب نہیں چلو" ـــ

آہستہ آہستہ بڑی ہی خاموشی سے وہ سیڑھی سے اتر کر نیچے آئے آگے آگے مسز ہارٹ ویل ـــ لیمپ کو بلند کئے راستہ دکھاتی ہوئی اور پیچھے پیچھے مسٹر ہارٹ ویل احتیاط سے زینے پر قدم رکھتا ہوا باغ کے پھاٹک پر آکر وہ بولا "آہستہ سے دروازہ کھولو آواز نہ ہو"

ہوا کے ایک تیز جھونکے نے بتی کو بڑھا دیا اور دوسرے جھونکے نے بالکل گل کر دیا۔ عورت نے بجھا ہوا لیمپ زمین پر رکھ دیا۔ اب وہ باغ میں گھس گئے۔ روش کی بجری جوتوں کے نیچے چرچرا رہی تھی۔ مینہ کی بوچھاڑ چہروں پر حملے کر رہی تھی مسٹر ہارٹ ویل نے کہا "تمہیں راستہ دکھائی دیتا ہے ..... اچھا تو ذرا میرے قریب آجاؤ..... یہ ٹانگیں تھام لو..... بڑا بھاری جسم

ہے ۔۔۔ اب تو اور بھی بھاری ہو رہا ہے ۔۔۔"

وہ چپ چاپ آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک پست دروازے کے سامنے آکر مسٹر ہارٹ ویل رُک گیا:۔ "میری داہنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھو۔۔ چابی ملیگی ۔۔۔ یہی ہے ۔۔۔ نکال لو۔۔۔ اب ٹانگیں چھوڑ سکتی ہو۔۔۔ کیسا گھٹاٹوپ اندھیرا ہے ۔۔۔ ہاتھ سے ٹٹول کر تالے کا سوراخ ڈھونڈو۔۔۔ مل گیا؟ ۔۔۔ ہاں چابی گھما دو"

آواز سُنکر شکاری کتّے ہوشیار ہو کر پھر دہاڑنے لگے۔ مسز ہارٹ ویل خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئیں۔

"ارے تم ڈر گئیں؟ ۔۔۔ یہ کیا بیوقوفی ہے؟ ۔۔۔ ایک چکر اور دو چابی سے ۔۔۔ اب ذرا الگ کھڑی ہو جاؤ"۔۔۔

اُس نے گھٹنے کی ٹھوکر سے جنگلے کا دروازہ کھولا۔ اپنے آپ کو آزاد سمجھ کر اس کے شکاری کتّے اُس کے پیروں کی طرف دوڑے اور ٹکرا کر رُک گئے! اُس نے اُنہیں ٹھوکر سے اندر دھکیل دیا اور پوری طاقت سے لاش کو اپنے سر سے اوپر اُٹھا کر اور زور سے جنگلے میں پھینک کر جھٹ دروازہ بند کر دیا۔۔۔

بھیڑیوں کی طرح چلّاتے ہوئے وہ خونخوار کتّے اپنے شکار پر ٹوٹ پڑے۔ موت کے مُنہ میں آخری انتہائی دردناک چیخ بلند ہوئی "بچاؤ" کی آواز کتّوں کے شور کو قطع کرتی ہوئی گونج اُٹھی ۔۔۔ ایک بلند چیخ ۔۔۔ اور پھر

کتّوں کے غرّانے کا شور!!

مسز ہارٹ ویل کو ایک غیر محسوس خوف نے گھیر لیا۔ دوسرے ہی لمحے انتہائی خوفزدہ ہونے کے باوجود تمام ماجرا اُس کے ذہن میں آگیا۔ جوشِ غضب میں اپنے خاوند کی گردن ناخنوں میں جکڑ کر وہ بولی :۔

"بے رحم شیطان!۔۔۔ وہ مردہ نہ تھا۔۔۔ تو نے۔۔۔"

مسٹر ہارٹ ویل نے دھکّا دے کر اُسے پیچھے ہٹا دیا۔ اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا :۔

"تو آپ کیا سمجھتی تھیں کہ وہ مر گیا تھا!"

بھکاری کا دل

نوشتہ:
گورکی

مترجم:-
آسی ؔ ام نگری

اُس روز آدھی رات کے وقت چوراہے کے ٹھیک مُوڑ پر اُسی کی طرح بدنصیب مفلس شخص سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس آدمی نے اس سے کہا ــــ "دیکھو۔ اگر ایک بازی مارنا چاہتے ہو تو اسی راستے سے ٹھیک جنوب کی سمت چلے جاؤ۔ سامنے ایک چھوٹا سا خوبصورت مکان نظر آئے گا۔ اس کی دیواریں اونچی نہیں ہیں۔ دروازہ بھی چھوٹا سا ہے۔ اُس مکان میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ صرف ایک بوڑھا مالی پہرہ دیتا ہے۔ وہ آج بخار میں پڑا ہے۔ ایک کتا تھا۔ وہ بھی کئی روز ہوئے مر گیا۔ ایسا موقع کبھی نہ پاؤ گے۔ سمجھے؟"

اُس نے جواب میں کچھ نہ کہا اور تیزی سے جنوب کی طرف چلا۔ تھوڑی ہی

دُور پر پُل تھا۔ پل سے گزرنے کے بعد گھنا تاریک جنگل تھا۔ وہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ اُس کے جسم پر ایک پھٹا سا کمبل تھا۔ اس وجہ سے اُس کا چہرہ اچھی طرح نظر نہ آتا تھا۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ایک سایہ کھسکتا ہُوا جا رہا ہے۔ گھاس پر پاؤں پڑنے کی وجہ سے چلنے کی آہٹ بھی نہ ہوتی تھی۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔

تھوڑی ہی عمر میں وہ بڑھاپے کا شکار ہو گیا تھا۔ اُس کی صورت دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اُسے بہت مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں۔ اس کے سخت چہرے پر رونق اور تر و تازگی کا نام و نشان بھی نہ تھا صرف آنکھوں میں چمک تھی جن میں اُس کے دل کی نرمی چھپی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے غریبوں سے اس میں یہی فرق تھا۔

وہ چلا جا رہا تھا۔ سامنے جنگل تھا۔ پیچھے بھی جنگل تھا۔ درمیان میں کہیں کہیں صرف دو ایک مکان تھے۔ تھوڑے فاصلہ پر وہ مکان بھی تھا۔ اس مکان کے سامنے آ کر وہ ایک بار کھڑا ہو گیا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ کہیں کوئی نہ تھا۔ اس وقت اُسے ایسا معلوم ہُوا جیسے وہاں کی زمین اور آسمان سب کچھ اُس کا ہے! —— اور کوئی ان چیزوں کا مالک نہیں ہے۔ لیکن یہ کیا —— ؟ نہ پاؤں آگے بڑھتے ہیں اور نہ ہاتھ اُٹھتے ہیں۔

کون اُس کے کام میں مخل ہو رہا ہے۔
یہی اس کی پہلی اور آخری چوری تھی۔ اس کے بعد اس نے کبھی چوری نہیں کی۔ بھوک کی ناقابل برداشت تکلیف سے مجبور ہو کر دوسرے کے باغ میں جا کر پھل وغیرہ توڑ کر کھائے ہیں لیکن کبھی نقب لگا کر یا تالا توڑ کر اُس نے چوری نہیں کی تھی۔
ہاں تو اُس نے ویسی چوری نہیں کی تھی۔ لیکن اب کیوں نہ کرے؟ اُس کی کوئی خبر لینے والا نہ تھا۔ صبح سے شام تک جب اُس کے منہ میں اُڑ کر ایک کھیل بھی نہ جاتی تھی۔ پیاس سے حلق خشک ہونے لگتا تھا۔ اس وقت اُسے کوئی ایک مٹھی اناج اور ایک گھونٹ پانی دینے والا نہ تھا۔ جاڑا برسات چلچلاتی دھوپ۔ کچھ بھی ہو وہ رات دن کھلے میدان میں پڑا رہتا تھا۔ اس وقت اس سے کوئی بات بھی نہ پوچھتا تھا۔

آج سے بہت پہلے ماں باپ کو کھو کر جب وہ در بدر مارا مارا پھرتا تھا اُس وقت گاؤں کے ایک بڈھے نے اُسے اپنے گھر لے جا کر بڑی محنت سے ٹوکری بننا سکھایا تھا۔ اس سے کسی طرح اُس کا پیٹ بھر جاتا تھا لیکن اس کی طبیعت میں آوارگی تھی۔ اس لئے وہ ایک جگہ نہیں رہ سکتا تھا۔ گاؤں گاؤں مارا مارا پھرا کرتا تھا۔

ایک روز شام کے وقت کنوئیں کے پاس اُس سے ملاقات ہوئی۔ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ کنوئیں سے پانی لے کر آرہی تھی۔ یہ وہیں بیٹھا ہُوا کچھ کھا رہا تھا۔ وہ کچھ ایسی حسین نہ تھی۔ پھر بھی اُس کے افسردہ چہرے میں ایک کشش تھی اس کے سر سے بھی بچپن ہی میں والدین کا سایہ اُٹھ گیا تھا۔ اُسے "اپنا" کہنے والا کوئی نہ تھا۔ اُس نے کبھی آرام کی صورت نہ دیکھی تھی۔ دوسرے کے ہاں نوکری کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی۔

ایک طرح کے دو بدنصیب اِس شام کو آملے تھے۔ اس لئے ان دونوں میں محبت ہو جانا فطری بات تھی۔ وہاں سے ان دونوں نے جا کر شادی کرلی۔ وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ ساتھ پھرا کرتی اور گرمی سردی کی تکلیفیں کھُلے میدان میں برداشت کیا کرتی۔ دونوں وقت کھانا نصیب نہ ہوتا تھا۔ لیکن اس کے لئے ان میں سے کوئی رنجیدہ نہ تھا۔ جیسے ان دونوں کی رفاقت کا لطف کسی قسم کے غم کو پاس نہ پھٹکنے دیتا تھا۔

اسی طرح ان دونوں کے دن بسر ہو رہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ان میں ایک اور جان آملی۔ اور وہ تھا ان کا لڑکا۔ یہ بچہ نہایت تندرست و توانا اور بے حد حسین تھا۔ ایک غریب کے گھر میں ایسا خوبصورت بچہ کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ بالکل شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔

اس بچے کو پاکر ان دونوں نے سمجھا کہ ایک بے بہا لعل مل گیا۔ فرطِ مسرت

سے دونوں رقص کرنے لگے۔ اتنے دنوں سے وہ مصیبت میں گرفتار تھے۔
لیکن بچے کو پاکر وہ سب کچھ بھول گئے۔ وہ کسی چیز کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے
تھے۔ ان کے لئے دنیا کی کسی چیز میں کشش نہ تھی۔ وہ اب تک آزاد ہوا کی
طرح پھرا کرتے تھے۔ ان کا کوئی مقصد۔ کوئی مطمح نظر نہ تھا۔ لیکن بٹیا پانے کے
ساتھ دنیا ان کی نگاہوں میں جادوگر کے کھیل کی طرح مسحور کن معلوم ہونے
لگی۔ ہزاروں طرح کی کشش انہیں اپنی طرف کھینچنے لگی۔ کس طرح لڑکا
اچھی طرح رہے۔ کس طرح اچھا کھلائیں پہنائیں۔ اسی فکر میں انہیں نیند
نہ آتی تھی۔ وہ کبھی کسی کے لئے فکر نہ کرتے تھے۔ لیکن بچے کے لئے نہ
جانے کہاں سے ان پر فکر کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

چار برس گزر جانے کے بعد بچے کی ماں بیمار ہوئی اور اسی مرض
میں اس کی زندگی کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اس وقت سب لوگ کہنے لگے ——
"رات دن راستے راستے مارے مارے پھرے۔ جاڑے کی تکلیف
سے ماں تو چل بسی۔ اب بچے کو احتیاط سے رکھو۔"
باپ نے لوگوں کی بات پر توجہ نہ کی۔ اور پہلے ہی کی طرح میدان میں
دن گزارنے لگا۔ جان کی حفاظت کے لئے مکان ایک ضروری چیز ہے۔
اس نکتے کو وہ نہ سمجھ سکا۔ لیکن اس کے دل میں ایک خاص قسم کا احساس ہونے

لگا کہ اُس کی رفیق زندگی۔ اُس کے دُکھ سُکھ کی ساتھی اُسے چھوڑ کر چلی گئی۔
بچّہ بھی بالکل ماں کی طرح تھا۔ جیسے اُسی سانچے میں ڈھلا ہو۔ وہی
گھونگھر والے بال شگفتہ چہرہ۔ غرض سب وہی باتیں۔ اسے دیکھ کر ایک
حد تک اس کا غم غلط ہو جاتا تھا۔ جس وقت اُس کا دل اپنی رفیقۂ زندگی کے
لئے بیقرار ہوتا وہ بچّے کو سینے سے لگا لیتا۔ اس طرح دل ٹھنڈا ہونا ہو جاتا۔
اُس کے سخت دل سے بھی محبّت کا شیریں چشمہ اُمنڈ کر اس معصوم دل کو بھگو
دیتا تھا! اس وقت وہی بچّہ اس کی زندگی کا واحد سہارا تھا۔

لیکن وہ بڑا بدنصیب تھا۔ محبّت کا مجسّمہ ـــــ زندگی کا سہارا ـــــ وہ
بچّہ بھی اسے داغِ مفارقت دے گیا! ننّھا بچّہ بھلا گرمی سردی کی تکلیف
کب تک برداشت کرتا؟ جس وقت بچّہ مرا وہ ہائے ہائے کہہ کر چیخ اُٹھا۔
وہ سوچنے لگا۔ آہ میں نے کیوں نہ لوگوں کی باتیں سُنیں۔ کیوں نہ اُس کی
حفاظت کی؟

جب بچّے کو قبر میں لٹا دیا گیا تو اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ
جاری ہو گیا۔ ساری زندگی میں اُس کے یہی آنسو تھے۔

اتنا رونے کے بعد بھی اُس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا۔
جیسے جسم کا سارا خون پانی ہو کر آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔ اُس کے لئے دنیا سُنسان
اور تاریک ہو گئی۔

اس کی دونوں آنکھیں عبث بچّے کو تلاش کیا کرتیں۔ وہ تخیل کی آنکھوں سے بچّے کا ایک مجسمہ تیار کر کے اپنے دل کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا تخیّل بھی اتنا بے جان تھا کہ وہ اپنے مقصد میں یکسر ناکام رہتا تھا۔ بچّے کی ایسی کوئی چیز بھی نہ تھی جسے دیکھ کر وہ سکون حاصل کیا کرے۔ اوڑھنے کی چادر۔ بچھانے کا کمبل جو کچھ تھا۔ وہ سب اس کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا گیا تھا اپنی تمام نشانیوں کو لے کر بچّہ اُس کے پاس سے چلا گیا تھا۔

اب وہ بالکل مردہ سا رہنے لگا۔ اُس کی ساری شوخی۔ ساری شگفتگی کافور ہو گئی۔ اب وہ درندے کی طرح خونخوار ہو چلا۔

اس کے ایک دوست نے اُس سے کہا تھا ـــــ دوسرے کے باغ میں گھس کر پھل توڑ کر کھانا اور نقب لگا کر چوری کرنا ایک ہی ہے۔ دونوں میں فرق ہی کیا ہے؟ دونوں چوری ہے۔ آج اسی مکان کے سامنے کھڑے اُس کے دل میں یہ خیال چکّر لگا رہا تھا۔

وہ گھاس پر چت ہو کر لیٹ گیا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اس کا سینہ پھٹنے لگا۔ آنسو نکلنے لگے۔ رونے کے بعد کچھ سکون حاصل ہونے کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگا ـــــ "اور لوگ بھی تو چوری کرتے ہیں؟ میں بھی کیوں نہ کروں؟ غور و خوض میں کیا پڑوں ـــــ"

اس کے بس ایک چھلانگ میں سامنے کی موری کو پھاند کر دیوار کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ جوں جوں دیوار کے پاس آنے لگا۔ اُس کے دل میں ایک قسم کی خوشی اور مسرت رقص کرنے لگی۔ شرم و لحاظ کا کہیں پتہ نہ تھا جس وقت اُس نے اس دیوار پر ہاتھ رکھا۔ اُس کا دل ذرا بھی نہ ہچکا۔ وہ فوراً دیوار پھاند گیا۔ سامنے کے ایک کمرے کے دروازے کے لٹکتے ہوئے تالے کو ایک ہی جھٹکے میں توڑ ڈالا۔ اس کے بعد گھر میں پہنچ گیا۔

کچھ دیر تک اندھیرے میں اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ آہستہ آہستہ اُس کی آنکھیں جب گھر کے اندھیرے کی متحمل ہو گئیں۔ تو وہاں کی سب چیزیں نظر آنے لگیں۔ انہیں دیکھ کر وہ متحیر ہو گیا۔ مکان بالکل صاف ستھرا۔ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ دیوار پر تصویریں لٹکی ہوئی تھیں۔ مکان سامان سے بھرا ہوا تھا۔ چاروں طرف قیمتی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ اس سے پہلے اُس نے ایسی چیزیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہ کھڑا ہو کر حیرت و استعجاب کے دریا میں غوطے کھانے لگا۔ اور سوچنے لگا — "یہ سب چیزیں کس کام میں آتی ہیں؟" اسکا دل حیرت اور خوف سے لبریز ہو گیا۔

وہ دفعتہً طے نہ کر سکا کہ ان میں سے وہ کن کن چیزوں کو لے۔ وہ جتنا ہی سوچنے لگا اُتنا ہی اُس کا دماغ چکرانے لگا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے ساری چیزیں بہ یک آواز پکار پکار اُس سے کچھ کہہ رہی ہیں — "مجھے لے چلو۔ مجھے لے چلو" وہ

کتنے چھوڑے کسے لے چلے؟ اسی خیال میں دیوانہ سا ہو گیا۔

سامنے ایک باجہ تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ ایک جھٹکے میں اس کا ڈھکنا توڑ ڈالا۔ باجے کے اندر زیادہ چیز نہ تھی۔ کٹے ہوئے تھوڑے سے کاغذ پڑے تھے۔ ایک کونے میں سونے کی دو مُہریں چمک رہی تھیں۔ انہیں لینے کے لئے اُس نے جوں ہی ہاتھ بڑھایا اُس کی نگاہ ایک تصویر پہ پڑی۔ دفعتاً اُس کے سارے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ رگ رگ میں ہیجان پیدا ہو گیا اُس کے دل میں مسرّت کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ وہ تصویر ایک چھوٹے بچّے کی تھی۔ تخیل کی مدد سے وہ جس تصویر کے کھینچنے میں ہزاروں بار ناکام ہوا تھا آج اُسی تصویر کو آنکھوں کے سامنے کاغذ پر دیکھ کر وہ مسرّت سے اُچھل پڑا۔ وہ سب کچھ بھول گیا۔ وہ کیا کرنے آیا ہے؟ کہاں آیا ہے؟ اُسے ذرا بھی یاد نہ رہا۔۔۔۔۔ وہ دیوانہ وار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تصویر کو دیکھنے لگا۔ وہی بھولی صورت وہی گھونگھریالے بال۔ وہی بڑی بڑی آنکھیں۔ ہونٹوں پر وہی دلفریب مسکراہٹ ساری باتیں وہی۔ وہ کس بچّے کی تصویر تھی ۔۔۔۔؟ وہ بالکل نہ جان سکا۔ لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ اسی کے بچّے کی تصویر ہے۔ اس کا دل یہ ماننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھا کہ یہ کسی دوسرے بچّے کی تصویر ہے۔ ایک مدّت سے اسکا دل جسے پانے کے لئے مضطرب تھا۔ آج اسے پا کر وہ بیحد خوش ہوا۔ اس کا سارا رنج و غم ایک لمحہ میں کافور ہو گیا۔ بچّے کی نشانی پانے کے لئے وہ دیوانہ بنا ہوا

مارا مارا پھرتا تھا۔ آج اسے ہاتھ میں لے کر فرطِ مسرّت میں خود کو بھی بھول گیا۔ اُس نے تصویر کو سینے سے لگا لیا۔

اُس نے زیادہ دیر نہ کی تصویر کو خوب مضبوطی سے پکڑ کر اس نے اسے بار بار چوما۔ اس کے بعد سینے سے لگا وہاں سے چل دیا۔

ایک بار اُس کے دل کی شگفتگی پھر واپس آ گئی۔ یہی چوری اس کی پہلی اور آخری چوری تھی۔ اُس روز کے بعد اُس کے دل میں اور کسی چیز کے چُرانے کی خواہش نہیں ہوئی جیسے اُسے کسی چیز کی کمی ہی نہیں رہی!

نقش بہ دیوار

نوشتہ

مترجم
میر فیصل

گذشتہ شب جینز کے ہاں جو واقعہ پیش آچکا ہے۔ میں اس کے باعث ہنوز اپنے دل کی گہرائیوں میں شرمندگی کی ایک سنسنی سی محسوس کر رہا ہوں۔ اور میرے لئے تسکین کا صرف یہی پہلو ہے کہ دوسرے دوست بھی اپنے اپنے پہلو میں ہر طرح یہ سنسنی محسوس کر رہے ہوں گے بات دراصل یہ تھی کہ ہم آپس میں ہیبتناک باتوں کے متعلق تذکرہ کر رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے محیر العقول موضوع میں ایک لامتناہی تسلسل اور غیر معمولی دلچسپی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم میں سے اکثر ایسی باتیں سُن چکے تھے۔ لیکن ابھی تک ہماری طبیعتوں میں اس گفتگو سے کوئی خاطر خواہ تحیّر یا سنسنی نہ پیدا ہو سکی تھی۔ اس محفل میں میرے لئے چند اجنبی آدمی

بھی تھے۔ اور ان میں سے ایک پستہ قد اور زرد رُو انسان بھی تھا۔ جو شاید لارنس کے ہمراہ یہاں آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر تجسّس کے آثار تھے۔ وہ بالکل خاموش تھا اور ہر ایک متکلّم کے چہرے کا نہایت غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ جیمز اسے بھی گفتگو میں شریک کرنے کے لئے اُس کی جانب متوجہ ہوکر بولا:۔

"کیا آپ بھی کوئی ایسی ہی غیر معمولی بات یا حیرت انگیز واقعہ بیان کرسکتے ہیں؟"

اجنبی چند لحظوں تک خاموش رہنے کے بعد بولا:۔

"یقیناً! میرے ذہن میں بھی اسی نوعیت کا ایک واقعہ ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ آپ کی کہانیوں کی طرح سُنی سُنائی باتوں پر محمول نہ ہوگا۔ کیونکہ میرے نزدیک حقیقت نہ صرف تصنّع سے زیادہ تحیّر زا ہے۔ بلکہ اُس سے کہیں زیادہ دلچسپ بھی ہوتی ہے۔ بہرکیف اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اپنا ایک ذاتی مشاہدہ بیان کروں جس کی آخری کڑی حیرت انگیز طور پر آج ہی مکمل ہوئی ہے"۔

اور ہماری درخواست کے بعد اُس نے کہا:۔

"دو سال یا دو سال کا ذکر ہے کہ میں نے "گریٹ آرمنڈ اسٹریٹ" کے ایک پُرانے مکان میں رہائش اختیار کی۔ سابق کرایہ دار کی بے احتیاطی کے باعث میرے کمرے کی دیواریں خراب ہوچکی تھیں۔ اور جگہ جگہ

کچھ نم آلود سی تھی۔ رنگ اڑ جانے کے باعث دیواروں پر طرح طرح کے نقوش بنے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے ایک نقش تو بالکل کسی انسانی چہرہ کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اگرچہ یہ مشابہت کوئی غیر معمولی بات نہ تھی تاہم میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس میں ایک غیر معمولی یکسانیت اور مشابہت پائی جاتی تھی۔ اور میں عموماً صبح کے وقت اپنے بستر پر لیٹے لیٹے اسے دیکھا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے محسوس کیا کہ یہ نقش کسی حقیقی انسان کے چہرے کا عکس ہے۔ چنانچہ میرے ایک رفیق نے بھی میرے خیال کی تائید کی۔ پھر ایک دوسری حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اور نقوش تو دن بدن بڑے ہو ہو کر اپنی صورتیں تبدیل کرتے رہتے تھے۔ مگر یہ ہمیشہ بغیر کسی تبدیلی کے اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا تھا۔

"جب اسی مکان میں مجھ پر انفلوئنزا کا شدید حملہ ہوا اور میں اپنی پریشانی کو رفع کرنے کے لئے مطالعہ اور غور و فکر میں دن گزارنے لگا تو یہ نقش میرے نزدیک حقیقت سے قریب تر ہوتا چلا گیا۔ اور اس کا خیال میرے دل و دماغ پر مسلط ہو گیا۔ میرے خیال میں اس چہرہ کے ناک کا دلکش خم اور پیشانی کا غیر معمولی جھکاؤ اپنے اندر ایک ایسی انفرادیت رکھتا تھا جو شاذ ہی دنیا میں نظر آتی ہے"

"صحتیاب ہونے کے بعد پھر میرے سر پر یہی جنون سوار تھا اور میں

اکثر گلی کوچوں میں اس چہرہ کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ کیونکہ میرے دماغ کے کسی گوشے میں یہ یقین پنہاں تھا کہ ضرور دنیا میں ایسے چہرے والا کوئی انسان موجود ہے۔ جس سے میری ملاقات ہو کر رہیگی کیونکر ہوگی؟ اس کے متعلق میں صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ یہ میرے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ میں اسی خیال کے ماتحت اُن مقامات پر باقاعدہ آنے جانے لگا جہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ مثلاً سیاسی جلسے۔ فُٹ بال کے میچ اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ۔ لیکن میری یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اور مجھے اسی تلخ تجربہ کے دوران میں یہ معلوم ہوا کہ انسانی چہرے درحقیقت ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں ہوتے۔ بلکہ دُنیا میں ایسے انسان بہت ہی کم ہیں جن کی شکلیں آپس میں ملتی جلتی نہ ہوں۔ بے شک انسانی صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن اگر اس اختلاف کے معیار مقرر کئے جائیں تو ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔

"الغرض میرے سر پہ یہی جنون سوار تھا۔ میں اب بھی پر ہجوم چوراہوں پر کھڑا ہو کر انسانی چہروں کو دیکھا کرتا تھا حتیٰ کہ لوگ مجھے پاگل سمجھنے لگے۔ اور میں پولیس کی نگاہوں میں بھی مشکوک ہو گیا۔ اس جستجو میں مجھے عورتوں سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ میں صرف مردوں ہی کو دیکھا کرتا تھا۔"

یہاں تک بیان کرنے کے بعد اجنبی دفعتاً خاموش ہوگیا۔ اور پھر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"بالآخر میں نے اس نقش سے مشابہ صورت والے انسان کو دیکھ کر ہی دم لیا۔ وہ پکیڈلی کے قریب ایک ٹیکسی میں مشرق کی جانب جا رہا تھا۔ میں اُسے دیکھتے ہی بے خودی کے عالم میں چند گز تک پیچھے بھاگا۔ اسی اثنا میں اتفاق سے ایک خالی ٹیکسی بھی آگئی اور میں اُس کے ڈرائیور کو تعاقب کی ہدایت دے کر فوراً اس میں سوار ہوگیا۔ ڈرائیور کی انتہائی کوشش کی بنا پر وہ ٹیکسی ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائی۔ اور ہم چیرنگ کراس کے قریب آکر رُک گئے۔ میں یہاں سے سیدھا اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کی جانب بھاگا۔ اور وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ آدمی دو عورتوں اور ایک کم سن لڑکی کے ہمراہ کھڑا ہے۔ غالباً وہ ۲ بجکر ۲۰ منٹ والی ٹرین سے فرانس جانے والا تھا۔ میں نے اُس کے ارد گرد چکر لگا کر گفتگو کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی کی صورت نظر نہ آئی۔ کیونکہ اُس کے دوست بھی وہاں موجود تھے اور وہ انہیں کے گھیرے میں باتیں کرتا ہوا ٹرین میں سوار ہوگیا۔

"اس کے بعد میں نے بھی جلد ہی سے" فاک اسٹون" کا ٹکٹ خریدا تاکہ وہاں پہنچکر جہاز کی روانگی سے پہلے اُس سے ملاقات کر سکوں لیکن

وہ میری آمد سے پہلے ہی اپنے دوستوں کے ہمراہ جہاز پر سوار ہو چکا تھا۔ جہاز میں اُس کے لئے ایک علیحدہ کمرہ مخصوص تھا۔ اور میری جگہ اُس سے کافی دور تھی۔ غالباً وہ کافی متموّل تھا جب میں نے دیکھا کہ میری دوسری کوشش بھی ناکام ثابت ہو چکی ہے تو میں نے بھی اسی جہاز کے ذریعہ سے فرانس جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ کیونکہ میرا قیاس تھا کہ وہ سفر کے دوران میں اپنے رفقا کو کمرے میں چھوڑ کر عرشۂ جہاز پر ٹہلنے کے لئے نکلنے لگا۔ اگرچہ میرے پاس وہ اتنی ہی رقم تھی کہ میں بمشکل اپنا کرایہ ادا کر کے فرانسی بندرگاہ بولون تک پہنچ سکتا تھا۔ لیکن میں نے کوئی پروانہ کی اور اُس کے کمرے کے سامنے بیٹھ گیا۔ تقریباً نصف گھنٹے کے شدید انتظار کے بعد اُس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ کمسن لڑکی کے ہمراہ باہر نکلا۔ میرا دل مارے اضطراب کے اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا کہ میں سمجھا شاید اسی دھڑکن سے جہاز بھی ہل رہا ہے۔ بے شک وہ ہو بہو وہی آدمی تھے۔ اس کے چہرے کی ہر لکیر دیوار والے نقش سے ملتی تھی۔ اُس نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور عرشۂ جہاز پر جانے کے لئے آگے بڑھا اور میں نے محسوس کیا کہ یہ ملاقات کا آخری موقعہ ہے۔

"معاف کیجئے گا!" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا "کیا آپ اپنا تعارفی کارڈ پیش کرنے کی زحمت گوارا فرمالیں گے۔ درحقیقت مجھے ایک نہایت ہی اہم وجہ کی بنا پر آپ کا اسم گرامی معلوم کرنا ہے"!

اُس نے متحیر ہو کر مجھے دیکھا جو غیر فطری امر نہ تھا اور اس کے بعد میری درخواست کے مطابق اُس نے نہایت کے ساتھ اپنے بٹوے سے ایک کارڈ نکال کر میری جانب بڑھا دیا۔"

میں کارڈ لے کر جہاز کے ایک پر سکون گوشے کی جانب بھاگا۔ اور اسے پڑھنے کی کوشش کی۔ مگر میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور میرا سر چکرانے لگا۔ کیونکہ اس کارڈ سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا نام "دو آرمنڈ وال" ہے۔ اور یہ امریکہ کے شہر پٹسبرگ کا باشندہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ البتہ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو فرانسی شہر، تولون کے ہسپتال میں پایا۔ میں وہاں چند ہفتوں تک علیل رہا۔ اور صرف ایک ماہ پیشتر ہی وہاں سے آیا ہوں۔"

اتنا کہنے کے بعد اجنبی پھر خاموش ہو گیا۔ ہم حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ واقعی اُس کا بیان بڑا سنسنی خیز اور عجیب و غریب تھا۔ اور ہم اس کے بقیہ حصّہ کو سُننے کے لئے مضطرب تھے۔ ایک وقفہ کے بعد وہ بولا۔

"گریٹ آرمنڈا سٹریٹ میں واپس آکر میں نے ہر ممکن طریقہ سے اس پراسرار امریکی کے بارے میں تحقیقات شروع کر دی اور جو امریکی باشندے لندن میں مقیم تھے اُن سے راہ و رسم پیدا کی۔ مگر مجھے اُس کے بارے میں صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ وہ ایک کروڑ پتی امریکی ہے۔ اُس کے والدین برطانی تھے

اور لندن ہی میں رہا کرتے تھے۔ البتہ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ لندن کے کس حصّہ میں وہ رہا کرتے تھے۔

میں نے یہ جستجو جاری رکھی۔ یہاں تک کہ کل صبح ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ بات یہ تھی کہ میں گزشتہ سے پیوستہ شب کو بہت رات گئے سویا تھا اور ابھی کچھ تھکا ماندہ سا بھی تھا جب میں کل بیدار ہوا تو دھوپ کھڑکی کے شیشوں میں سے چھن چھن کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ حسب دستور جب میں نے آج بھی اس نقش پر نگاہ ڈالی تو میں حیرت سے آنکھیں ملتا ہوا اپنے پلنگ پر اُچھل پڑا۔ یہ نقش اب بالکل مدھم ہو چکا تھا۔ حالانکہ گزشتہ شب ہی کو میں اسے حسب معمول بالکل نمایاں اور صاف حالت میں دیکھ چکا تھا۔ اور اُس وقت اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ ابھی کچھ بولا ہی چاہتا ہے۔

متحیّر و پریشان ہو کر میں باہر چلا آیا۔ گلی میں تازہ اخبارات بک رہے تھے۔ میری نگاہ اتفاقیہ ایک اخبار کی سُرخی پر پڑی۔ تو معلوم ہوا کہ ایک امریکی کروڑپتی کے ساتھ موٹر کا حادثہ پیش آیا ہے۔ اور میرا خیال ہے آپ سب صاحبان نے بھی کل کے اخبارات میں یہ پڑھا ہوگا کہ مسٹر آرمنڈ وال ایک امریکی کروڑپتی اپنے رفقاء کی معیت میں "بیسنر" سے "نوبیسا" کی جانب ایک موٹر میں سفر کر رہا تھا کہ اُس کی موٹر ایک ریلوے

کے ڈبہ سے ٹکرا کر الٹ گئی اور مسٹر آرمنڈ وال شدید طور پر زخمی ہوئے۔

اس خبر کو پڑھ کر میں پریشان حالت میں پھر اپنے کمرے میں واپس چلا آیا۔ اور اپنی دیوار پر اُس نقش کو دوبارہ دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نقش اب کی بار میرے دیکھتے ہی دیکھتے بالکل غائب ہو گیا۔ جب بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ مسٹر آرمنڈ وال زخموں کی شدّت سے راہئ ملکِ عدم ہو چکے ہیں۔ تو میں نے اندازہ لگایا کہ اُس کی موت عین اُسی وقت واقع ہو گئی تھی کہ جب میری نگاہوں کے سامنے اُس کا چہرا دیوار سے غائب ہو رہا تھا۔

اجنبی یہ کہہ کر پھر خاموش ہو گیا۔ چونکہ ہمارے نزدیک نہایت محیّر العقول تھا۔ اس لئے ہم نے درخواست کی کہ اس پر مزید روشنی ڈالی جائے۔

"ہاں!" اجنبی نے دفعتاً چونک کر کہا "میرے نزدیک اس واقعہ کے متعلق تین اہم باتیں قابلِ غور ہیں۔ اوّلاً ایک امریکی کا چہرا لندن کے ایک مکان کی دیوار پر کیونکر بن گیا۔ اور اس نقش کو مرحوم کے ساتھ کیونکر گہرا تعلق تھا؟

میرا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہماری سائنس کو سالہا سال کی مدّت چاہیئے۔

دوسرے اس شخص کا نام آرمنڈ وال تھا اور وال انگریزی میں گلی کو

کہتے ہیں۔ پھر جس گلی میں یہ مکان تھا اُس کا نام بھی گریٹ آرمنڈ اسٹریٹ ہے۔ کیا یہ بات غیر معمولی اور متحیّر کُن نہیں ؟

ہم نے اُس کی تائید کی اور ہمارے درمیان ہیبت ناک باتوں کے موضوع پر اسی اثنا میں بحث چھڑ گئی۔ ہم ابھی اسی بحث میں مصروف تھے کہ اجنبی نے رخصت کی اجازت طلب کی۔ مگر جب وہ دروازے کے قریب پہنچا تو خوش قسمتی سے ہمارے دوست "سپاٹن" نے ہمیں یاد دلایا کہ اس واقعہ کے بارے میں راوی نے حسب الوعدہ تیسری بات تو ابھی بیان ہی نہیں کی چنانچہ سپاٹن نے اجنبی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :۔

"آپ نے ابھی صرف دو باتیں ہی کہی ہیں۔ اور تیسری باقی ہے"۔

"اوہو" اجنبی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا "یہ تو میں بھول ہی گیا ہوں معزّز حضرات! اس واقعہ کے بارے میں تیسری غیر معمولی بات ہے کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے۔ اور میں نے صرف نصف گھنٹہ پیشتر ہی اسے سوچا تھا" ——— اچھا! پھر ملونگا"۔

یہ الفاظ سُنتے ہی ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد جب ہم ہوش میں آئے تو ہم نے لارنس کو تلاش کرنا چاہا۔ کیونکہ اس کمبخت کے ہمراہ یہ موذی ہماری ایذا رسانی کے لئے یہاں آیا تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ لارنس بھی اجنبی کے ہمراہ رفو چکر ہو چکا ہے۔——

(آزاد ترجمہ)

جوانی

عبدالرحیم شبلی بی کام مدیر خیام و عالمگیر لاہور

ہوٹل میں دونوں دوست کھانا کھا چکے تھے۔ اُنہوں نے کھڑکی میں سے
جھانک کر دیکھا کہ ہوٹل کے صحن میں بے شمار گاہک جمع ہیں۔ وہ نرم و گرم ہوا
کا لمس محسوس کر رہے تھے۔ ایسی ہوائیں پیرس میں بالعموم موسمِ گرما کی پُر
سکون راتوں کو چلا کرتی ہیں۔ اُن میں سے ایک نے جب یہ اژدحام دیکھا
تو اُس کا جی چاہا کہ پُر شور دُنیا کو چھوڑ کر کسی دور دراز سبزہ زار کے کُنجِ عافیت
میں چلا جائے۔ جہاں وہ چاندنی راتوں میں چمکنے والے دریاؤں، شمع پر قربان
ہونے والے پروانوں اور گلشنوں میں گانے والے ہزار داستانوں کے
حسین تصور میں کھو جائے۔ اُس نے ایک سرد آہ بھری اور اپنے ساتھی سے
کہنے لگا :-

"آہ - میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ کسی زمانے میں ایسی ہی نشاط انگیز شب میرے خون میں جوانی کی لہر دوڑا دیتی تھی لیکن اب میری شمع حیات افسردہ ہو چکی ہے۔ آہ! جوانی کی گھڑیاں کس سرعت سے گزر جاتی ہیں!"

دوسرے نے جواب دیا:-

بھئی۔ میری زندگی تو آنکھ جھپکتے ہی گزر گئی معلوم بھی نہیں ہو سکا۔ ایک زمانہ تھا کہ میں ہشاش بشاش اور مضبوط و توانا تھا۔ لیکن اب آئینہ میں منہ دیکھتا ہوں تو حیرت انگیز انقلاب نظر آتا ہے۔ اگر ہم روزانہ اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھیں تو زمانے کے آثار چڑھاؤ کا اثر محسوس بھی نہ ہو۔ لیکن اگر اٹھے چھ ماہ بعد آئینے میں دیکھا جائے تو آہ! ہمیں کسقدر صدمہ ہو؟

اور عورتیں؟ میرے دوست - مجھے اُن پر رحم آتا ہے۔ اُن کی تمام مسرت اُن کی تمام زندگی۔ اور اُن کی تمام قوتوں کا انحصار اُس حسن و جمال پر ہے جو صرف دس برس تک باقی رہتا ہے۔

ہاں۔ تو میں محسوس کئے بغیر۔ بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب کہ میں پچاس برس کی عمر کو پہنچ چکا ہوں اپنے آپ کو بالکل ناکارہ خیال کرتا ہوں۔

میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح دامِ عشق میں گرفتار رہا ہوں۔ تمہیں اپنی پریم کہانی سناتا ہوں ——

بارہ برس ہوئے وہ مجھے ساحلِ سمندر پر ملی تھی۔ صبح کو ساحل پر غسل

کرنے میں خاص لُطف آتا ہے۔ عورتیں بھی شب خوابی کا مہین لباس پہن کر وہاں آتی ہیں۔ انسان اگر صبح صبح قریب کی چٹانوں پر جا کر بیٹھ جائے تو وہ غسل کے نظّارے سے بے حد لُطف اندوز ہو سکتا ہے۔ حسین عورتیں ساحلِ سمندر پر آ کر ایک خاص ادا سے اپنا لبادہ اُتار پھینکتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے نیز قدموں کے ساتھ کف ریز لہروں میں خرامِ ناز کرتی ہیں۔ بعض اوقات اُنہیں سردی محسوس ہوتی ہے تو وہ کپکپاتی اور ٹھٹھرتی ہیں۔ ہر عورت اس صبر آزما امتحان میں پوری نہیں اُتر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ سمندر کا پانی صحت بخش ہے۔ لیکن جب عورتیں نہا کر باہر نکلتی ہیں تو اُن کے چہروں پر وہ رونق نہیں ہوتی جو عام طور پر نظر آیا کرتی ہے۔

جب میں نے پہلی مرتبہ اُسے دیکھا تو میں اُس کے حُسن نور پاش سے دم بخود ہو کر رہ گیا۔ میرے سراپا میں ایک سرور انگیز لہر سی رینگ گئی۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ میں اس زُہرہ جبیں سے محبّت کروں ـــــ!

میں نے بہت جلد اُس سے تعارف پیدا کر لیا۔ اور پہلی ہی ملاقات میں اُس کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو گیا۔ کسی حسینہ کا کشتۂ ناز ہونا کتنا پُر لطف تجربہ ہے! محبّت کی پہلی نگاہیں ستم آرا تو ہوتی ہیں لیکن اُن میں ایک بے پایاں مُسرّت پائی جاتی ہے!

آہ۔ اُس کی نگاہیں، اُس کا ہلکا ہلکا تبسم، اُس کی تاریک رات کی طرح سیاہ زلفیں۔ جن کے ساتھ بادِ نسیم کے جھونکے اٹھکھیلیاں کر رہے تھے۔ اور اُس کے ملاحت آمیز گلابی چہرے کے منحنی خطوط جن کو دیکھ کر میں تقریباً دیوانہ ہو گیا۔ اور اُس کے مرمریں سراپا نے مجھے ایک ایسی سحرزا قوت کے ساتھ جکڑ لیا کہ میرے لئے چھٹکارا پانا ممکن نہ رہا۔

وہ شادی شدہ تھی۔ لیکن اُس کا شوہر صرف ہفتہ کے روز آتا تھا۔ اور سوموار کو واپس چلا جاتا تھا۔

اس کے باوجود ــــ آہ! مجھے اُس سے کتنی محبت تھی۔ وہ کتنی حسین اور جوان تھی۔ مختصر یہ کہ وہ شباب، حُسن اور ترو تازگی کا مجسمہ تھی!

اس سے پہلے مجھے صنفِ نازک کی لطافتوں کا تجربہ نہ تھا۔ میں نے وہ حُسن کبھی محسوس نہ کیا تھا جو کسی دوشیزہ کے چاہِ ذقن، رسیلے ہونٹوں کی کپکپاہٹ اور نرگس کی طرح خمار آلود آنکھوں کی پنہائیوں میں مضمر ہے!

میں نے تین ماہ محبت کی آغوش میں گزارے۔ اس کے بعد ــــــ

اس کے بعد میں امریکہ چلا گیا۔ اگرچہ میرے دل میں ناامیدی کروٹیں لے رہی تھی۔ لیکن اُس کی حسین یاد نے مجھے زندہ رہنے کے قابل بنا دیا تھا۔ میں اُس سے کافی دور تھا۔ لیکن تصوّر کی جادوگری نے اس "بُعد" کو "قُرب" سے بدل دیا تھا۔

اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ لیکن میں اُسے فراموش نہ کر سکا۔ اُس کی معصوم تصویر ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔ اور میں محسوس کرتا تھا کہ میری محبت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

انسانی زندگی میں بارہ سال کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ہم اس مدت کے ختم ہونے کو محسوس بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس عرصہ کے ختم ہو جانے کے بعد جب ہم ایام ماضی پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں اپنی گزشتہ زندگی کے نقوش بہت مدھم نظر آتے ہیں اور ہمیں یہ معلوم کر کے ایک گونہ حیرت ہوتی ہے کہ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں۔

مجھے فی الواقع یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اپنی محبوبہ سے جدا ہوئے مجھے ابھی چند روز ہی گزرے ہیں اور ابھی کل ہی میں ساحل سمندر پر اُس سے ملاقات کر چکا ہوں۔

گزشتہ موسم بہار میں اپنے دوستوں کی دعوت پر میں ایک قریبی شہر کی طرف جا رہا تھا۔ جب گاڑی چلنے لگی تو ایک بھدّی سی موٹی عورت مع اپنی چار لڑکیوں کے میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ اور اُس کے بچّے غل مچا رہے تھے۔ میں نے وقت کاٹنے کے لئے اپنے کاغذات نکال لئے اور یونہی پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اجنبی عورت مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگی۔
"معاف کیجئے لیکن آپ موسیو کارنیر تو نہیں ہیں؟

"جی ہاں!"
یہ سنتے ہی اس نے ایک پُر زور قہقہہ لگایا۔ وہ ایک مطمئن عورت کی طرح ہنس رہی تھی۔ لیکن اُس کی آواز میں افسردگی کی جھلک تھی۔
"مجھے پہچانا؟"
اُس نے بے باک ہوکر پوچھا۔ میں نے جواب دینے سے تامّل کیا۔ کیونکہ مجھے خیال پڑتا تھا کہ میں نے اس عورت کو کہیں دیکھا ہے۔ لیکن . . . . . کہاں؟ . . . . کب؟ . . . . اس لئے میں نے گھبراہٹ کی آواز میں کہا۔
"ہاں . . . . نہیں . . . . . میں جانتا تو ہوں۔ لیکن آپ کا نام یاد نہیں آتا"۔
وہ شاید شرما گئی۔ پھر بولی:-
"میڈم جولی"
مجھے ایک دھکچا سا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بیہوش ہو رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری آنکھوں پر سے ایک پردہ سا اُٹھا دیا گیا ہے۔ اور کوئی ہیجان خیز اور جگر پاش انکشاف ہونے والا ہے۔
یہ وہی تھی ——!
کیا واقعی یہ بھدّی سی موٹی عورت وہی تھی؟ اور اس قلیل عرصہ میں اُس کے

یہاں چار لڑکیاں بھی پیدا ہو چکی تھیں ۔ لڑکیوں کو دیکھ کر مجھے اور بھی تعجب
ہوا جب پہلے پہل میں نے اُسے دیکھا تھا تو وہ ایک مستِ شباب
حسینہ تھی۔ لیکن اب . . . . . اب اُس کی کیا حالت ہو گئی تھی؟ کیا یہ ممکن
تھا؟ میرے دل کو بہت صدمہ ہوا اور مجھے قدرت کے اس مذموم
اور ظالمانہ فعل پر بڑا غصہ آیا۔

میں نے اُسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا۔ میری آنکھوں سے آنسو
رواں ہو گئے۔ یا اللہ۔ اُس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔

وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی:۔

"میں بدل گئی ہوں؟ ہیں نا۔ انقلابات ہیں زمانے کے اب میں ماں
بن چکی ہوں۔ ایک اچھی ماں۔ اب مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں میرا خیال تھا
کہ اگر ہم دونوں کی ملاقات ہوئی تو تم مجھے پہچان نہیں سکو گے لیکن تم بھی تو
بدل گئے ہو۔ مجھے بھی پہچاننے میں دقّت ہوئی۔ تمہارا رنگ فق ہوتا جا رہا
ہے لیکن ذرا یہ بھی تو سوچو کہ اُس واقعے کو بارہ برس گزر چکے ہیں۔ اتنی مدّت
کچھ کم نہیں ہوتی۔ میری بڑی لڑکی کی عمر دس برس ہے!"

میں نے اُس کی لڑکی کی طرف دیکھا۔ اُس کی شکل و صورت اپنی ماں
کی جوانی کی یاد تازہ کر رہی تھی۔ اگرچہ وہ ابھی کمسن تھی۔ لیکن مجھے یوں محسوس
ہوا جیسے زندگی ایک تیز رفتار گاڑی کی طرح ہے۔

میرا مطلوبہ اسٹیشن آگیا۔ میں نے اپنی رفیقہ کے ہاتھ پر الوداعی بوسے دئے۔ زندگی کے اس انقلاب پر میں اسقدر حیران تھا کہ اُس سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔"

اُس رات جب میں گھر میں اکیلا تھا۔ تو میں دیر تک اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھتا رہا۔ میں نے وہ وقت یاد کیا۔ جب میرے چہرے پر شباب کی سرخیاں دوڑ رہی تھیں۔ میرے بال سیاہ تھے اور میری مونچھیں بھوری تھیں۔ آہ! اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میرا خونِ حیات سرد ہو چکا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔ !!"

(گائی۔ ڈی۔ موپاساں)

افسانوی ادب کے ۲ دو تہلکہ انگیز مجموعے

خوشبوئیں ——— اور ——— شعاعیں

جو ملک کے مایۂ ناز صحافی، نامور انشا پرداز اور وسیع المطالعہ نقّاد
حضرت شبلی بی۔ کام۔ مدیر عالمگیر و خیام
نے خاص محنت و کاوش سے مرتب کئے ہیں

خوشبوئیں اس مجموعے میں ہندوستان کی تمام زندہ زبانوں میں لکھنے والی چیدہ چیدہ افسانہ نویس خواتین کے شاہکار پیش کئے گئے ہیں ہر افسانہ نسائی لطافت کا حامل اور مشرقی خواتین کے رجحانات کا آئینہ دار ہے۔ اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی۔ کاغذ چکنا سفید، دیدہ زیب گرد پوش مجلد۔ قیمت صرف دو روپے (عہ)

شعاعیں اس مجموعے میں اردو۔ ہندی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ بنگالی۔ تامل۔ ملیالم وغیرہ مختلف زبانوں کے مرد افسانہ نویسوں کے ترقی یافتہ شاہکار شامل ہیں۔ ہر افسانہ عہدِ حاضر کے تقاضوں اور فنِ افسانہ نویسی کی جدید ٹکنیک کے عین مطابق ہے۔ کاغذ چکنا سفید لکھائی چھپائی درجہ اوّل دیدہ زیب گرد پوش مجلد قیمت صرف ۲ دو روپے

——آج ہی اپنا آرڈر بک کرا دیجئے اور اس کے علاوہ ہماری انگریزی اور اردو مطبوعات کی فہرست طلب کیجئے +

ملنے کا پتہ:۔ ایسٹرن آرٹس اکاڈیمی لمیٹڈ۔ لاہور۔

ہماری اکاڈیمی کی شہرت یافتہ کتابیں

انگریزی کا مشہور شاعر کارلائل کہتا ہے "کتاب دماغ کے لئے اسیطرح ضروری ہے جسطرح جسم کے لئے غذا۔ ہر انسانی فرائض میں سے اہم ترین فرض یہ ہے کہ ہر شخص اپنی لائبریری بنالے۔ خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو!" آپ بھی ذیل کی فہرست میں سے اپنی پسند کی کتابیں منگاکر اپنی لائبریری مکمل کر لیجئے

دنیائے اسلام کا ماضی و مستقبل اسلامی دنیا کی سیاست پر ایک مورخانہ اور ریاست آموز کتاب جسمیں تمام اسلامی ممالک کی تاریخ کا جائزہ سیاسی انقلاب و حوادث کی روشنی میں لیا گیا ہے ہر صحیح الخیال اور عافیت پسند ہندوستانی کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ مولانا اظہر امرتسری کا شاہکار قیمت عہ۔

ربیعہ۔ ترکی کی مایہ ناز ادیبہ خالدہ خانم کا معرکہ آرا انقلابی ناول جسکا پلاٹ ربیعہ نام ایک لڑکی کی داستان معاشقہ کے گرد گھومتا ہے اور جسمیں جگہ جگہ انقلابات و بغاوت کے نقشے بھی اُڑتے دکھائی ہیں۔ ترجمہ شبلی بی کام۔ قیمت عہ

تاریخی رومان۔ ہندوستان کے چیدہ مشہور انشاپردازوں کے تاریخی افسانے۔ جسکا ہر افسانہ تاریخی شاہکار تسلیم کیا گیا ہے۔ مرتبہ شبلی بی کام ضخامت ۲۰۰ صفحات قیمت عہ

محبوبۂ قیروان علامہ جرجی زیدان کا رومان پرور تاریخی شاہکار جسمیں قیروان امصر کی ایک دوشیزہ کی داستانِ عشق بیان کی گئی ہے۔ قیمت عہ

ماہ و انجم۔ اگر مختصر افسانے کی تعریف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسانی جذبات کی آوازیں سنائی دیں اور سوسائٹی کی صحیح تصویر آنکھوں میں پھرنے لگے تو کوثر چاندپوری کے اس مجموعے کا مطالعہ ضرور کیجئے قیمت عہ

ملنے کا پتہ:- **ایسٹرن آرٹس اکاڈیمی لمیٹڈ۔ لاہور**

کوالٹی پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور میں باہتمام ملک خیر دین صاحب پرنٹر چھپا اور البیرونی آرٹس اکیڈمی کمپنی نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا